قواعد کلیه اور ان کا آغاز و ارتقاء

محمود احمد غازی

قواعد کلیه کی ابتداء :

دوسری صدی هجری کے اوائل میں جب ائمه مجتهدین اصول فقه کی تدوین کر رهے تهے، تعبیر قانون کے اصولوں کو مرتب کیا جا رها تها اور قرآن مجید اور سنت رسول میں بیان کرده جزئی احکام کے پرده میں پوشیده کلیات کی دریافت کا کام زور شور سے جاری تها انهی دنوں قواعد کلیه کے علم کی بهی نیو پڑ چکی تهی ۔ امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲هـ) ، امام محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹هـ) اور امام محمد بن ادریس الشافعی (متوفی ۲۰۴هـ) کی فقهی تالیفات میں ایسے بهت سے قواعد بکهرے هوئے هیں جن کو بعد میں آنے والے فقهاء نے مرتب کیا اور ان کی بنیاد پر علم قواعد کلیه کو باقاعده شکل دی ۔ جوں جوں یه حضرات فقهی اصول و کلیات کو مرتب کرتے گئے قواعد کلیه اور ضوابط فقهیه نکهر نکهر کر سامنے آتے گئے ۔ اگرچه سردست یه کهنا تو مشکل هے که دوسری

صدی هجری کے جن مجتہدین کی تحریروں میں ایسے کلیات بکھرے ہوئے ملتے ہیں انہوں نے ان کو بالارادہ قواعد کلیہ ہی کی حیثیت میں مرتب کیا تھا تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں قانون اسلامی کے اصول و کلیات کی تنقیح کا اتنا کام ہو گیا تھا کہ تیسری صدی ہجری کے فقہاء کے لئے قواعد کلیہ کے نام سے ایک جداگانہ علم کو مدون کرنے کا بیڑا اٹھانا ممکن ہو سکا۔

یہ قواعد کلیہ ایک دن یا چند دنوں میں بیٹھ کر کسی ایک شخص یا چند متعین اشخاص نے وضع نہیں کئے، نہ یہ سب کے سب کسی ایک مرحلہ میں اپنی موجودہ شکل میں مرتب ہوئے ہیں۔ ان کی ترتیب کی صورت یہ نہیں ہے جو دنیا کے قوانین کی ہوتی ہے کہ کسی متعین مجلس یا متعین فرد نے ایک خاص وقت میں ایک خاص شکل میں ان کو مدون کر دیا ہو۔ بلکہ رومن لاء کے لیگل میکسمز Legal Maxims کی طرح قواعد کلیہ کی ترتیب و تدوین کی صورت بھی ارتقائی رہی ہے۔ ان کی بنیادیں تو قرآن و سنت کے احکام اور صدر اسلام کے ائمہ کرام کے وہ اجتہادات ہیں جو انہوں نے سالہا سال قرآن و سنت میں غور و فکر کر کے کئے تھے۔ جوں جوں فقہائے کرام قرآن و سنت کے احکام پر غور کرتے گئے ان کے سامنے ان احکام کا بنیادی فلسفہ، حکمت اور اصول واضح ہوتے گئے اور ہر زمانہ کے فقہاء ان اصولوں کو مناسب عبارتوں میں مرتب و مدون کرتے رہے۔ بعد میں آنے والے فقہاء نہ صرف اپنے سے پہلے فقہاء کے مرتب کردہ قواعد و کلیات کی عبارتوں کو بہتر اور جامع بناتے رہے بلکہ خود بھی اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے نئے نئے قواعد و ضوابط دریافت کر کے اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہے۔ اس طرح کم و بیش ایک ہزار سال کی اجتماعی کاوشوں کا یہ ثمرہ قواعد کلیہ کے اس بربہا خزانہ کی

صورت میں ھمارے سامنے موجود ہے جس نے آج سے سینکڑوں سال قبل ھی ایک باقاعدہ مربوط اور منظم علم کی صورت اختیار کر لی تھی ۔

لہذا ان قواعد کا نہ کوئی ایک شخص مصنف ہے، نہ یہ کسی ایک یا چند افراد کے ذھن کی پیداوار ھیں، اور نہ کسی خاص علاقہ، زمانہ یا نسل کے لوگوں کو ان کی تدوین کا اعزاز دیا جا سکتا ہے۔ البتہ چند قواعد ایسے ھیں جو یا تو براہ راست کسی حدیث نبوی کے الفاظ سے ماخوذ ھیں یا کسی متعین فقیہ و مجتہد کی طرف منسوب ھیں لیکن ایسے قواعد بہت تھوڑے ھیں ۔ اور ان کی حیثیت اس عمومی کیفیت سے استثنائی صورت کی ہے۔ مثال کے طور پر درج قواعد براہ راست احادیث نبویہ سے لفظاً یا معنیً ماخوذ ھیں :

(۱) الامور بمقاصدھا : معاملات کا دارومدار ان کے مقصد پر ھوتا ہے۔ یہ کلیہ صراحةً اس مشہور حدیث نبوی سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد ہے :

انما الاعمال بالنیات : اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

(۲) لا ضرر و لاضرار : نہ نقصان اٹھاؤ نہ (جواباً) نقصان پہنچاؤ ۔ یہ بعینہ حدیث نبوی کے الفاظ ھیں ۔

(۳) اذا اجمتع الحلال والحرام غلب الحرام : جب حلال و حرام یکجا ھوں گے تو حرام ھی غالب مانا جائے گا ۔ اس قاعدہ کے الفاظ ایک روایت سے ملتے جلتے ھیں جو قریب قریب انھی الفاظ میں آئی ہے۔

(۴) الحرام لا یحرم الحلال : کسی حرام کے ارتکاب سے کوئی حلال کام حرام نہیں ھوتا ۔ یہ بھی بعینہ ایک حدیث نبوی کے الفاظ ھیں ۔

(۵) الحدود تندرئی بالشبهات : حدود کی سزائیں شبهه کی وجه سے ساقط هو جاتی هیں ـ

(٦) الخراج بالضمان : فائده وه اٹھائے جو تاوان دینے کا پابند هو، یه بھی بعینه حدیث نبوی کے الفاظ هیں ـ

اس طرح بعض قواعد (لیکن بهت کم) ایسے هیں جن کے باره میں معلوم ہے که حتمی شکل میں فلاں فقیه نے ان کو سب سے پہلے مرتب کیا تھا ـ ورنه قواعد کلیه کا بیشتر حصه وه ہے جو بهت سے اهل علم اور فقهاء کے هاتھوں مرتب هوتے هوتے اپنی موجوده شکل کو پهنچا ہے اور اب بھی بعض قواعد کی عبارت میں نظرثانی اور مزید بهتری کی گنجائش خال خال نظر آ جاتی ہے ـ عموماً هوتا یه رها که ابتداءً کسی ایک فقیه نے ایک قاعده دریافت کیا اور اس کو ایک خاص عبارت کا جامه پهنایا ـ پھر بعد میں آنے والے هر اس فقیه نے جس نے اس فن یا موضوع پر کام کیا اس کی نوک پلک درست کی، اس کے الفاظ میں مزید اختصار اور جامعیت پیدا کی، تا آنکه عبارت کی وه شکل سامنے آئی جو اپنی خوبصورتی موزونیت، اختصار، بندش اور جامعیت کی وجه سے قبول عام اختیار کر گئی ـ اس عمل میں اجتهادی احکام کی علت و حکمت پر کی جانے والی بحثوں اور فقهائے کرام کے دریافت کرده اسالیب اجتهاد و قیاس نے بھی بهت نمایاں کردار ادا کیا ـ

مثال کے طور پر ایک قاعده ہے الاقـرار حجة قاصرة: یعنی اقرار ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رهتا ہے ـ اب یه کهنا تو مشکل ہے که اس قاعده کو دریافت کرنے کا شرف کس فقیه یا مجتهد کو حاصل هوا، یا کس فقیه نے اس کو اس قدر جامع اور مختصر الفاظ میں مرتب کیا جس سے زیاده جامعیت اور

اختصار عربی زبان میں ممکن نہیں ہے تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ابتدائی تصور ہمیں امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (متوفی ۳۳۰ھ) کے ہاں ملتا ہے۔ وہ اپنی کتاب اصول الکرخی میں لکھتے ہیں : الاصل ان المرء یعامل فی حق نفسه کما اقربه ولا یصدق علی ابطال حق الغیر ولا بالزام الغیر حقا ۔ قاعدہ یہ ہے کہ انسان سے اس کے اپنے معاملہ میں وہی سلوک کیا جائے گا جس کی بابت اس نے اقرار کیا ہے البتہ اس کے اقرار کی کسی ایسے معاملہ میں تصدیق نہیں کی جائے گی جس میں کسی دوسرے کے حق کو باطل کیا جا رہا ہو یا کسی دوسرے کے ذمہ کوئی حق لگایا جا رہا ہو۔ اب اس قاعدہ کی اس ابتدائی عبارت پر توجہ فرمائیے پھر دیکھئے کہ کس طرح کئی نسلوں کی کوشش اور بہت سے مجتہدین و فقہاء کے غور و فکر کے نتیجہ میں یہی بات کس قدر جامع اور مختصر الفاظ میں آ گئی کہ الاقرار حجة قاصرة : اقرار ایک قاصر دلیل ہے۔ یعنی ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رهتا ہے۔

اس طرح کا تقابلی مطالعہ اگر دوسرے قواعد کا بھی کیا جائے تو ہمارے سامنے ایسے متعدد قواعد آتے ہیں جن کے بارہ میں ہم حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ابتدائی عبارت ان کی موجودہ عبارت سے خاصی مختلف تھی اور وہ بہت سے مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنی موجودہ صورت تک پہنچے ۔ (۱)

شروع شروع میں جب قواعد کلیہ وضع ہونا شروع ہوئے اور مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مطالعہ اور بصیرت کی بنیاد پر احکام شرعیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور کر کے ان کو بنیادی اصولوں اور کلیات کے تحت منضبط کرنے کے کام کا آغاز کیا تو یہ ایک نہایت مقبول اور برتر علم قرار پایا ۔ جن اصحاب کو علم قواعد کلیہ سے

واقفیت پیدا ہوئی ان کو فقہاء کے حلقہ میں نمایاں مقام اور خصوصی حیثیت حاصل ہوئی، اور جن اصحاب کو اس نئے مگر مقبول و محترم علم سے زیادہ واقفیت نہ تھی ان کے مقابلہ میں اول الذکر کو زیادہ امتیاز حاصل ہوا ـ ایسی صورت حال میں یہ بات بہ تقاضائے بشری کوئی بعید نہ تھی کہ بعض ایسے اصحاب جن کو خاص خاص قواعد کلیہ سے واقفیت تھی وہ ان کو دوسروں تک پہنچانے میں تردد و تأمل کا مظاہرہ کرنے لگیں، اور دوسری طرف طالبان علم بھی حصول علم کی نت نئی تدبیریں سوچیں اور ان کو عملی جامہ پہنائیں ـ فقہائے کرام کی ان دو جماعتوں کے اس رویہ نے بعض واقعات اور دلچسپ قصوں کو بھی جنم دیا ـ ایسا ہی ایک قصہ یا واقعہ سیوطی اور ابن نجیم نے اپنی اپنی الاشباہ والنظائر میں نقل کیا ہے ـ

کہا جاتا ہے کہ امام ابو طاہر الدباس نے امام ابوحنیفہ کی فقہی آراء اور اجتہادات کے گہرے مطالعہ کے بعد ان کی بنیاد سترہ قواعد کلیہ کو قرار دیا تھا ـ انہوں نے اپنے مطالعہ اور غور و فکر اور ذاتی تحقیق و جستجو سے یہ پتا چلایا کہ امام ابوحنیفہ کے فقہی افکار ان سترہ اصولوں کے تحت منضبط ہوتے ہیں ـ ان کو اپنی اس تحقیق اور انکشاف پر اتنا ناز اور مان تھا کہ وہ اس لذت تحقیق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور کسی بھی طالب علم یا معاصر فقیہ کو اصرار کے باوجود بھی ان سترہ قواعد کی تعلیم نہ دیتے تھے ـ بالخصوص غیر حنفی اور خاص طور پر شافعی فقہاء سے تو وہ اس بےبہا ذخیرہ کو بہت ہی بچا بچا کر رکھتے تھے ـ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں حنفی اور شافعی فقہاء کے درمیان مناظرہ بازیاں اور فقیہانہ چشمک زوروں پر تھی، ہر دو مکتب فقہ کے

اهل علم آئے دن ایک دوسرے سے علمی بحث و تمحیص میں مصروف رہتے تھے اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہمارا اجتہادی اسلوب ترقی کر کے دوسرے سے آگے نکل جائے - اس منافست سے جہاں فقہ اور قانونی تفکیر کے عمل میں بےمثال پیشرفت ہوئی وہاں بعض اوقات ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے -

ایک بار کسی طرح امام ابوطاہر الدباس کے شافعی معاصر امام ابو سعید الہروی کو معلوم ہو گیا کہ ابوطاہر الدباس نے ایسے سترہ قواعد منضبط کئے ہیں جن کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ کے جملہ اجتہادات تک بسہولت رسائی ہو سکتی ہے- ابو سعید الہروی اس علمی راز کا پتہ چلانے کے ارادہ سے نکل کھڑے ہوئے - تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ابو طاہر الدباس نابینا ہیں اس لئے وہ نہ تو قواعد کو قلم بند کر سکتے ہیں اور نہ ان کی تشریحات اور ان کے ماتحت آنے والے احکام کو لکھ سکتے ہیں - اس لئے بھول جانے کے خطرہ کے پیش نظر وہ روزانہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد جب مسجد بالکل خالی ہو جاتی ہے تو وہ اندر سے دروازہ بند کر کے ان کو زبانی دھرایا کرتے ہیں - یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد ابو سعید ہروی چل کر ابو طاہر دباس کے وطن پہنچے، رات کو خاموشی سے مسجد میں گئے اور نماز عشاء کے بعد ایک چٹائی میں لپٹ کر بیٹھ گئے - ابو طاہر نے حسب عادت اندر سے مسجد بند کر لی اور قواعد کو دھرانا شروع کیا

جیسے جیسے وہ اپنے قواعد دھراتے جاتے ابو سعید بھی خاموشی سے ان کو یاد کرتے جاتے - ابھی سات تک ہی پہنچے تھے کہ غالباً چٹائی میں لپٹنے کی وجہ سے ان کو کھانسی آ گئی - ابو طاہر کو پتا چل گیا کہ آج کوئی ان کا علمی کارنامہ لے اڑنے کی غرض سے آگیا ہے -

چنانچه انہوں نے اس علمی ,,گھس بیٹھیے،، کی مرمت کی اور مسجد سے نکال باھر کیا اور آئندہ کے لئے یہ معمول ختم کر دیا ۔ غریب ابو سعید ہروی نے بھی ان سات قواعد پر ھی اکتفا کرنے میں خیریت سمجھی اور واپس آ کر اپنے شاگردوں کو ان کی تعلیم دینے لگے ۔ (۲)۔

لیکن علامہ حموی نے جو ابن نجیم کی الاشباہ و النظائر کے شارح ھیں اس واقعہ کی صحت میں تامل ظاھر کیا ہے۔ انہوں نے ابو سعید ہروی کے بجائے ھرات کے کسی حنفی عالم سے یہ واقعہ منسوب کیا ہے ۔ (۳) لیکن چاھے یہ ساری تفصیلات اپنی جگہ صحیح نہ ھوں لیکن چونکہ بہت سے اصحاب نے یہ واقعہ بیان کیا ہے ۔ اس لئے اندازہ ھوتا ہے کہ واقعہ کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہے جیسا کہ استاذ مصطفی زرقاء نے بھی اشارہ کیا ہے۔ (۴) اس طرح کے واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قواعد کلیہ کے علم کو اس کے دور آغاز ھی سے ھمارے فقہاء کی نظر میں کتنی اھمیت اور قدر و منزلت حاصل تھی ۔

قاعدہ کلیہ کی تعریف :

عربی زبان میں قاعدہ کے لغوی معنی کسی عمارت کی بنیاد کے ھوتے ھیں ۔ اس لئے ھودہ کے نیچے لگائی جانے والی لکڑیوں کو بھی قواعد کہتے ھیں کہ وہ بھی ھودہ کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ھوتی ھیں ۔ کسی مملکت کے دارالحکومت کو بھی قاعدہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مملکت کی بنیاد کی طرح اھمیت رکھتا ہے ۔ قرآن مجید میں لفظ قاعدہ اسی معنی میں استعمال ھوا ہے ۔ (۵)

اصطلاحی اعتبار سے فقہی اور قانونی قاعدہ دوسرے علوم و فنون سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے ۔ دوسرے علوم مثلاً نحو، طبیعیات، ریاضی وغیرہ میں قاعدہ سے مراد ایسا حکم یا اصول ہے جو

اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہو، یعنی جس کا اطلاق اس کے ذیل میں آنے والی تمام فروعی صورتوں پر ہوتا ہو۔ مثلاً نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، مفعول منصوب ہوتا ہے۔ اب یہ دونوں قواعد ہر قسم کے فاعل اور ہر قسم کے مفعول کو حاوی ہیں اور سب پر ان کا اطلاق یکساں طور پر ہوتا ہے۔ کوئی مفعول یا فاعل ایسا نہیں ہے جو ان قواعد کے اطلاق سے باہر ہو۔ یا مثلاً طبیعات اور منطق کے قواعد ہیں کہ وہ ہر حال میں اپنی ذیلی شکلوں پر منطبق ہوتے ہیں۔

فقہی قواعد کا معاملہ ان سے ذرا مختلف ہے۔ ایک فقہی قاعدہ کا اطلاق اس کے ذیل میں آ سکنے والے تمام حالات و مسائل پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی صرف بیشتر صورتوں پر ہوتا ہے اور بہت سی صورتیں بہرحال ایسی ہوتی ہیں جو اس قاعدہ کے اطلاق سے باہر رہتی ہیں۔ لہذا فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں قاعدہ کی تعریف یہ کی جاتی ہے۔

حکم کلی ینطبق علی جمیع جزئیاته لتعرف أحکامها منها : قاعدہ سے مراد وہ کلی اور عمومی حکم (قانون، اصول) ہے جس کا اطلاق اس کے تحت آنے والی تمام جزئی صورتوں پر ہوتا ہے تاکہ ان کے احکام اس قاعدہ سے معلوم کئے جا سکیں۔ (٦).

اس کے برعکس فقہی قاعدہ کی جو تعریفیں مرتب کی گئی ہیں ان میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کا اطلاق اس کی تمام جزئی صورتوں پر نہیں ہوتا بلکہ اکثر پر ہوتا ہے۔ ایسی چند تعریفات ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

(١) حکم اکثری لا کلی ینطبق علی اکثر جزئیاته لتعرف احکامها منها : قاعدۂ سے مراد وہ اصول (حکم) ہے جو کلی نہ ہو بلکہ اکثریتی

هو اور اپنے تحت آنے والی اکثر جزئیات پر اس کا اطلاق ہوتا ہو تاکہ ان جزئیات کا فقہی حکم اس سے معلوم کیا جا سکے (۷)۔

(۲) حکم أغلبی ینطبق علی معظم جزئیاته : وہ ایسا حکم ہے جو اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہو اور اپنے تحت آنے والے بیشتر جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو۔ (۸)

(۳) حکم کلی أو غالب ینطبق علی جزئیات کلها أو أکثرها : وہ ایسا حکم ہے جو کلی ہو یا اکثریتی ہو اور اپنی تمام یا اکثر جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو۔ (۹)

(۴) هو الحکم الکلی أو الاکثری الذی یراد به معرفة حکم الجزئیات : وہ ایسا کلی یا اکثریتی حکم ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ اس کے ذریعہ جزئیات معلوم کئے جائیں۔ (۱۰)۔

اس طرح کی اور بھی چند تعریفات کتب اصول سے نقل کی جا سکتی ہیں لیکن ان سب کا مفہوم وہی ہے جو مذکورہ بالا تعریفات میں آ گیا ہے۔ ان سب تعریفات میں دو باتیں مشترک ہیں جو یہ ہیں:

(الف) فقہ کے قواعد کلیہ اگرچہ کلیہ کہلاتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر صورتوں میں وہ قواعد کلیہ نہیں ہیں بلکہ قواعد اکثریہ ہیں۔ یعنی ان کے ماتحت آنے والی اکثر جزوی صورتوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تعریفوں میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(ب) یہ سب تعریفیں ان لوگوں کے لئے تو مفید علم ہیں جن کے ذہن میں پہلے سے قواعد کلیہ کا تصور موجود ہو۔ لیکن جو لوگ قواعد کلیہ کا کوئی تصور نہیں رکھتے ان کے لئے محض ان تعریفوں کی مدد سے قاعدہ کلیہ کا صحیح تصور حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ استاذ مصطفی احمد الزرقاء ان تعریفات سے مطمئن نہیں ھیں ۔ ان کی رائے میں ان میں سے کوئی تعریف بھی اتنی جامع ، واضح اور مکمل نہیں ہے کہ پڑھنے والے کو اس کی مدد سے قاعدہ کلیہ کی حقیقت و ماہیت سے بخوبی آگاھی حاصل ھو جائے ۔ انہوں نے خود ایک تعریف وضع کی ہے جس سے قواعد کلیہ کی حقیقت اور ماہیت اچھی طرح سامنے آ جاتی ہے ۔ وہ کہتے ھیں کہ قواعد کلیہ :

★ اصول فقهية كلية فى نصوص موجزة دستورية تتضمن احكاما تشريعية عامة فى الحوادث التى تدخل تحت موضوعها ۔ (۱۱)

★ وہ عمومی فقہی اصول ھیں جن کو مختصر قانونی زبان میں مرتب کیا گیا ھو اور جن میں سے ایسے عمومی قانونی اور فقہی احکام بیان کئے گئے ھوں جو اس موضوع کے تحت آنے والے حوادث و واقعات کے بارہ میں ھوں ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استاذ مصطفی زرقاء کی مرتب کردہ یہ تعریف اوپر دی گئی دوسری تعریفات کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے، گو اس میں اتنا ایجاز و اختصار نہیں ہے جتنا اوپر کی تعریفات کے مرتبین نے ملحوظ رکھا تھا ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن نجیم کی الاشباہ و النظائر کے شارح علامہ حموی نے عام قاعدہ اور قاعدہ کلیہ میں فرق کیا ہے ۔ اوپر ان کے حوالہ سے جو تعریفیں گذری ھیں وہ قاعدہ کی تعریفیں تھیں ۔ قاعدہ کلیہ کی تعریف علامہ حموی کے الفاظ میں یہ ہے :

القواعد التى لم تدخل قاعدة منها تحت قاعدة اخرى، و ان خرج منها بعض الافراد ۔ (۱۲)

قواعد کلیه سے مراد وہ قواعد ھیں جن میں سے کوئی قاعدہ کسی دوسرے قاعدہ کے ماتحت نہیں آتا، چاھے اس کی اپنی بعض جزئیات اس سے باھر رھتی ھوں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ آج جن قواعد کو ہم قواعد کلیہ کہتے ھیں ان کے لئے پہلے پہل قواعد یا قاعدہ کی اصطلاح کس فقیہ نے استعمال کی، تاھم جس کے ذھن میں سب سے پہلے یہ لفظ آیا تو یہ اس قدر موزوں اور مناسب تھا کہ پھر یہی اصطلاح چل پڑی اور دوسری ھر اصطلاح متروک ھو گئی ـ قاعدہ اور قواعد کی اصطلاح کے رواج سے قبل اصل اور اصول کی اصطلاح رائج تھی ، اور خاصے عرصہ تک یہی اصطلاح رائج رھی ـ چنانچہ امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (متوفی ۳۴۰ھ) کے مشہور رسالہ اصول الکرخی میں اصل سے مراد قاعدہ ھی ہے ـ بعد میں غالباً اصول الفقہ سے التباس کے خطرہ کے پیش نظر کسی متبادل اصطلاح کی ضرورت محسوس ھوئی، تاکہ قواعد الفقہ (لیگل میکسمز) کو اصول الفقہ (پرنسپلز آف جورس پروڈنس) سے ممیز کیا جا سکے ـ

قواعد کلیہ کا علم جب ترقی کر کے ایک باقاعدہ اور مدون علم (سائنس) کی حیثیت اختیار کر گیا تو غالباً اس وقت اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ھمہ موضوعی اور یک موضوعی قواعد کو الگ الگ کیا جائے ـ یہ ضرورت کس زمانہ میں محسوس کی گئی؟ اس کا تعین تو دشوار ہے البتہ چھٹی ساتویں صدی تک قواعد کلیہ کا فن بہت ترقی کر چکا تھا، اس لئے ھم کہہ سکتے ھیں کہ اس زمانہ میں یہ امتیاز بھی کیا جانے لگا ھوگا کہ ھمہ موضوعی یا کثیر موضوعی قواعد کون سے ھیں اور یک موضوعی کون سے؟ ان میں اول الذکر تو بدستور قاعدہ اور قواعد کہلاتے رھے اور ثانی الذکر کے لئے ضابطہ،

ضابطه اور ضوابط کی اصطلاح مروج ہوئی - لہذا اب قاعدہ سے مراد وہ عمومی اصول قرار پایا جو فقہ کے سب یا بہت سے ابواب سے متعلق جزئیات پر منطبق ہوتا ہو - مثلاً یہ اصول : الامور بمقاصدھا، معاملات کا دارومدار ان کے مقصد پر ہوتا ہے- یہ اصول فقہ کے تقریباً تمام ابواب میں پھیلی ہوئی جزئیات پر منطبق ہوتا ہے- وضوء، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید و فروخت غرض ہر جگہ یہ اصول منطبق ہوتا دکھائی دیتا ہے اور ہر جگہ اس سے استدلال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے-

اس کے برعکس فقہائے متاخرین کی اصطلاح میں ضابط اور ضابطہ سے مراد وہ اصول ہے جو فقہ کے کسی ایک باب سے متعلق ہو یعنی اس کے ماتحت جو احکام اور جزئیات آتے ہیں وہ کسی ایک باب مثلاً عبادات، یا عبادات میں بھی مثلاً زکوۃ سے متعلق ہوں- مثلاً عبادات سے متعلق فقہائے احناف کے ہاں مشہور ضابطہ ہے: لزم النفل بالشروع (۱۳) نفل عبادت ایک بار شروع کرنے کے بعد لازمی ہو جاتی ہے- اس اصول کا اطلاق نماز، روزہ، حج، قربانی سب پر ہوتا ہے لیکن یہ صرف عبادات کے مباحث ہیں - اس لئے اس اصول کو اصطلاح میں قاعدہ نہیں بلکہ ضابطہ کہا جائے گا - اس طرح ایک اور اصول ہے : المستأمن بمنزلة الذمی فی دارنا، یعنی ہمارے (مسلمانوں کے) علاقہ میں مستأمن (اجازت لے کر وقتی طور پر آنے والے غیر مسلم ریاست کے شہری) کی حیثیت وھی ہے جو ذمی (یعنی اسلامی ریاست کے مستقل غیر مسلم شہری) کی ہوتی ہے- یہ بھی ضابطہ ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف اسلام کے قانون بین الاقوام اور قانون بین الممالک کے مباحث میں ہوتا ہے اور فقہ کے دوسرے کئی مباحث میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی - لیکن جیسا کہ عرض

کیا گیا قاعدہ اور ضابطہ کے استعمال میں یہ اصطلاحی فرق متاخر فقہاء کا ہے۔ متقدمین کے ہاں یہ دونوں اصطلاحات ہم معنی اور ہم مفہوم ہیں ۔ بعد کے بھی بعض لوگوں نے ان کو بعض اوقات ایک ہی معنی و مفہوم میں استعمال کر لیا ہے۔

مغربی قوانین کی اصطلاح میں بھی ایسے اصولوں کے لئے دو الگ الگ اصطلاحات مروج ہیں ۔ میکسم اور پرنسپل ۔

قواعد کلیہ کی فقہی اور قانونی حیثیت :

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بیشتر قواعد کلیہ وہ ہیں جو اکثریتی نوعیت کے ہیں اور محض اکثر صورتوں میں اپنے ما تحت جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں، اس لئے ان کے بارہ میں یہ واضح رہنا چاہئیے کہ یہ قواعد کسی مستقل بالذات شرعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے ، یعنی یہ خود اپنی ذات میں ماخذ قانون نہیں ہیں کہ محض کسی قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر کوئی قانون وضع کیا جا سکے ۔ ماخذ قانون صرف قرآن مجید اور سنت رسول ہیں، یا وہ اجماع اور اجتہاد و قیاس جو قرآن و سنت کی کسی سند کی بنیاد پر وقوع پذیر ہوئے ہوں۔

قاعدہ کلیہ کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ زیر بحث موضوع سے متعلق فقہ اسلامی کی عمومی فکر اور منہاج کو واضح کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں فقہ اسلامی کا انداز تفکیر کیا ہے یا فلاں معاملہ میں قیاس و اجتہاد کا رخ کیا ہے یا فلاں مسئلہ میں فقہی حکم معلوم کرنے کا عمومی اسلوب کیا ہے۔ لہذا جس طرح فقہ کے دوسرے جزوی اور فروعی احکام براہ راست یا بالواسطہ قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اسی طرح قواعد کلیہ بھی قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں ۔ اگر کوئی قاعدہ کلیہ قرآن و سنت کے کسی حکم سے متعارض ہو تو اس کی سرے سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تقریباً یہی حیثیت مغربی اصول قانون میں لیگل میکسمز کی ہے۔ یہ میکسمز (Maxims) نہ تو ماخذ قانون ھیں اور نہ اپنی ذات میں وہ خود قانون ھیں ۔ وہ محض مغربی قانون کے عمومی انداز فکر کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ھیں ۔ ایک مشہور مغربی قانون دان کے بقول یہ Maxims قانونی دنیا کی ضرب الامثال ھیں ۔ جس طرح کسی قوم یا کسی علاقہ کی ضرب الامثال و محاورات سے اس قوم یا علاقہ کے انداز فکر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسی طرح ان میکسمز سے بھی مغربی قانونی دنیا کے عام انداز فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کسی قانون موضوعہ (Statutory Law) اور لیگل میکسم میں تعارض ہو تو قانون موضوعہ ھی کو برتری حاصل ہو گی ، اس لئے کہ لیگل میکسم خود کوئی قانون نہیں ہے اس کی حیثیت صرف تشریحی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کبھی بھی کسی قاعدہ کلیہ سے کوئی استدلال کرنا یا کسی نئی پیش آمدہ صورت حال پر اس کو منطبق کرنا غلط ہے۔ قاعدہ کلیہ سے استدلال کرنا درست ہے اور کسی نئی صورت حال پر اس کو منطبق کرنا بھی درست ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اس استدلال کو محض مجازاً ھی استدلال کہا جا سکے گا، اس لئے کہ یہ وہ استدلال نہیں ہے جو کسی دلیل شرعی (ماخذ قانون) کی بنیاد پر ھوتا ہے۔ اس استدلال کی حیثیت دراصل تفریع کی ہے۔ جس طرح ایک عمومی حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس کی ذیلی فرعیں معلوم کر لینا بہت آسان ہو جاتا ہے ، اسی طرح ایک قاعدہ کلیہ کی ذیلی فرعیں معلوم کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب قواعد کلیہ نہ خود قانون ھیں اور نہ ماخذ قانون ھیں اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی مستقل

بالذات استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کا فائدہ اور ضرورت کیا ہے؟ آخر کس مقصد کے لئے فقہائے کرام نے ان پر اتنی توجہ اور محنت صرف کی ؟ اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ ان کی قانونی اور عدالتی اهمیت سے قطع نظر ان کی تعلیمی اهمیت بہت زیادہ ہے۔ استاذ مصطفی احمد الزرقاء کے بقول : ھی دساتیر للتفقیه لانصوص للقضاء، یہ قواعد فقیہ بنانے اور فقہ میں درک پیدا کرنے کے اصول ھیں، عدالتی فیصلوں کی بنیاد بننے والے قوانین نہیں ھیں ۔ (۱۴) مجلة الاحکام العدلیه کے مولفین و مرتبین نے بھی مجله کے پہلے باب میں جہاں ننانوے قواعد کلیه بیان کئے ھیں وھاں انہوں نے دفعه نمبر ایک میں قواعد کے فائدہ اور ضرورت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مجله کے شارحین نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ مجله کے مرتبین و شارحین کی رائے میں قواعد کلیه کے فوائد یه ھیں :

(الف) یه قواعد فقه کے لٹریچر کے معتبر اور مسلم اصول ھیں اور فقہائے کرام کے طرز استدلال سے واقف ہونے کے لئے ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

(ب) فقہی احکام کی پشت پر جو عمومی انداز فکر کارفرما ہے اس سے ایک عام واقفیت پیدا کرنے کے لئے ان قواعد کا مطالعه ناگزیر ہے۔

(ج) قواعد کلیه کے مطالعه سے فقہی احکام سے ایک مناسبت اور انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(د) قواعد کلیه کے مطالعه سے فقه اسلامی میں گہرا درک حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱۵)

(ھ) منتشر و متفرق فقہی مسائل کو مرتب و منضبط کرنے اور ایک باقاعدہ قانونی نظام کے تحت لانے میں مدد ملتی ہے۔

(و) فروع و جزئیات چونکہ بےشمار ھیں اس لئے ان سب کے تفصیلی دلائل یاد کرنا اور مستحضر رکھنا مشکل ہے۔ اگر قواعد کلیہ اور ان کے مآخذ ودلائل سے ایک بار واقفیت پیدا ھو جائے تو ان کے تحت آنے والے فروع و جزئیات کی جڑ ھاتھ آ جاتی ہے۔

(ز) قواعد کلیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لئے روز مرہ زندگی میں شریعت کے نقطہ نظر کو جاننا اور اپنے معاملات پر منطبق کرنا آسان ھو جاتا ہے۔ (١٦)

(ح) ایک غیر فقیہ مقلد بھی اگر قواعد کلیہ سے واقف ھو جائے تو اس کو بھی ایسی روشنی حاصل ھو جاتی ہے جس کی مدد سے وہ فقہ کے دلائل سے اجمالی طور پر باخبر ھو سکتا ہے۔ لیکن ان کی بنیاد پر اس کو کوئی فتوی یا فیصلہ جاری نہیں کرنا چاھئے ۔ اس لئے کہ بعض اوقات کوئی خاص صورت حال کسی خاص قاعدہ کے ذیل میں نہیں آتی ، چاھے بظاھر اس قاعدہ کا تعلق اس معاملہ سے ھو، اس لئے کہ کبھی کسی دوسرے قاعدہ کے اثر سے، کبھی کسی خاص شرعی حکم کے تحت، کبھی کسی اور وجہ سے کوئی سبب ایسا پیدا ھو جاتا ہے کہ وہ خاص صورت حال قاعدہ کلیہ کے اطلاق سے نکل جاتی ہے۔ چونکہ یہ نہایت مہارت اور دقت نظر کا کام ہے اس لئے براہ راست کسی قاعدہ سے استدلال کر کے فیصلہ یا فتوی نہیں دے ڈالنا چاھئے (١٧)

یہ بات خود مجلة الاحکام العدلیہ کے مرتبین نے بھی واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ جہاں تک فیصلوں اور فتوؤں کا تعلق ہے تو وہ محض کسی قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر نہیں دینے چاھئیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی قرآنی، حدیثی یا فقہی نص موجود ھو ۔ مجلہ کے اصل الفاظ یہ ھیں :۔

ليس لحكام الشرع الشريف ان يحكموا بمجرد الاستناد الى واحدة من هذه القواعد مالم يقفوا على نص صريح۔
جب تک کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو حکام شریعت کو ان میں سے کسی قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دے دینا جائز نہیں ہے (١٨)

یہی بات مجلہ کے جملہ شارحین نے بھی بڑی وضاحت سے کہی ہے۔ لیکن علامہ یوسف آصاف نے اس بات کو ذرا مختلف انداز میں کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو محض ان میں سے کسی ایک قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دینا لازمی نہیں ہے (لا يجب عليهم ان يحكموا .... (١٩) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم یوسف آصاف کے نزدیک اس کی گنجائش موجود ہے کہ اگر کوئی فقہی نص موجود نہ ہو تو کسی قاعدہ کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

قواعد کلیہ میں استثناءات :

اوپر یہ بات کہی جا چکی ہے کہ بیشتر قواعد کلیہ اس معنی میں کلیہ نہیں ہیں کہ ان میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے، بلکہ اکثر قواعد کی حیثیت محض اغلبی اور اکثریتی ہے، یعنی وہ اپنے تحت آنے والی بیشتر اور اکثر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں، سب پر نہیں ۔ یہ قواعد کلیہ ایسے ہمہ گیر قانونی اصول نہیں ہیں کہ ان میں بالکل بھی استثناء موجود نہ ہو، بلکہ یہ صرف وہ کلیات ہیں جو اکثر و بیشتر بہت سی صورتوں کو حاوی ہوتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق اکثر صورتیں اور ان کے احکام ان قواعد کے تحت آ جاتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں استثناءات بھی بہت ہوتے ہیں ۔ ان استثناءات کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں ۔ بعض اوقات ایک

خاص معاملہ کسی ایک قاعدہ کلیہ کے بجائے کسی دوسرے قاعدہ کلیہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ کا ایک خاص تقاضا ہوتا ہے لیکن استحسان، قیاس یا کسی اور اصول کا کوئی اور تقاضا ہوتا ہے جس کے پیش نظر مجتہد مقاصد شریعت کا تقاضا یہ سمجھتا ہے کہ خاص اس معاملہ میں قاعدہ کلیہ کے بجائے اس دوسرے اصول کو منطبق کرنا ضروری ہے۔ مثلاً کبھی عدل و انصاف، جلب مصالح، دفع مفاسد، رفع حرج وغیرہ کے پیش نظر قاعدہ کلیہ کے انطباق کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے پیش نظر قواعد کلیہ کو اغلبی یا اکثریتی قواعد کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے دائرہ کار سے متعلق اکثر صورتوں کو حاوی ہیں سب کو نہیں ۔ اس لئے شاید ہی کوئی قاعدہ کلیہ ایسا ہو جس میں استثناءات نہ ہوں،جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ۔

قواعد کلیہ میں استثناءات کی کثرت کو دیکھ کر یہ خیال نہیں کرنا چاهئیے کہ ان کی علمی اور فقہی حیثیت محل نظر ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان استثناءات کے باوجود ان قواعد کی علمی اہمیت، فقہی مقام و مرتبہ اور اجتہادی بصیرت پیدا کرنے میں ان کا کردار اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے ۔ ان قواعد کلیہ سے وہ بنیادیں ہاتھ آ جاتی ہیں جن پر فقہ اسلامی کی عمارت قائم ہے۔ اگر کسی کو یہ سب یا ان میں سے بیشتر قواعد مستحضر ہوں تو اس کے ہاتھ گویا وہ کلید آ جاتی ہے جس سے فقہ اسلامی کی بہت سی گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جاتی ہیں ۔ جو حضرات قواعد کلیہ سے صرف نظر کر کے فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو بعض اوقات فقہ کا یہ سارا ذخیرہ ایک غیرمربوط، غیر مرتب اور منتشر احکام کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کو نہ ان سارے احکام اور اصولوں میں کوئی باہمی ربط،

ترتیب اور نظم نظر آتا ہے اور نہ وہ قانون سازی کے میدان میں اسلامی شریعت کے بنیادی رجحان اور فلسفہ سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں ۔

مشہور مالکی فقیہ امام ابو العباس قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) ، جن کو علم فروق میں امامت کا درجہ حاصل ہے فرماتے ہیں کہ فقہ اسلامی کے سارے ذخیرہ میں قواعد کلیہ کو ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے اور علمی طور پر ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ جو شخص قواعد کلیہ میں جتنا درک اور بصیرت حاصل کرے گا اتنا ہی اس کو فقہ اسلامی پر عبور حاصل ہو گا اور اس کی فقہی آراء میں اتنی ہی پختگی پیدا ہو گی ۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص قواعد کلیہ کو نظر انداز کر کے محض جزئیات اور فروعی مسائل کو یاد کرنے میں لگے گا اس کو بڑی مشکلات، دقتوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے کہ اس کو جو جزئی مسائل اور فروعی احکام یاد کرنے پڑیں گے وہ لا متناہی ہوں گے ۔ لیکن جو شخص پہلے قواعد کلیہ پر عبور حاصل کر کے پھر جزئیات کی طرف جائے گا اسے اکثر و بیشتر صورتوں میں جزئیات کو الگ الگ یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی؛ اس لئے کہ بہت سی جزئیات تو انہی کلیات کے اندر آ جائیں گی جن پر وہ پہلے ہی حاوی ہو چکا ہو گا ۔ اس طرح بہت سے ایسے معاملات و مسائل جو دوسروں کو ایک دوسرے سے الگ الگ اور جدا جدا نظر آتے ہیں وہ اس شخص کو ایک مربوط اور متناسب اسکیم میں مندرج ہونے کی وجہ سے بسہولت یاد رہیں گے [۲۰]

قریب قریب یہی بات مجلة الاحکام العدلیه کے مرتبین نے بھی کہی ہے چنانچہ مجلہ کے مقدمہ میں لکھا ہے: مسائل فقہ کو سمجھنے

میں ان قواعد سے بڑا فائدہ پہنچے گا، جو شخص ان قواعد کو خوب سمجھ لے گا اس کو مسائل فقه کی انکے دلائل کے بموجب اچھی طرح فہم حاصل ہو جائے گی ۔ اسی طرح تمام عدالتی حکام بھی ہر موقع پر ان قواعد کی طرف رجوع کر سکیں گے، ان قواعد کے ذریعه لوگوں کے لئے یه ممکن ہو جائے گا که وہ اپنے معاملات کے باره میں حکم شرعی معلوم کر کے اس کی تطبیق کر سکیں یا کم از کم اپنے معاملات کو شریعت کی روح سے قریب تر کر سکیں (۲۱)

علم قواعد کی ابتدائی تاریخ :

اوپر قواعد کلیه کا آغاز کے عنوان سے اس امر کی طرف اشاره کیا جا چکا ہے که ان قواعد کا آغاز کیسے اور کیونکر ہوا ۔ اسی طرح اشباه و نظائر اور علم قواعد و فروق کے تعارف کے ضمن میں ان قواعد کی ضرورت کا احساس کیوں ہوا یه بھی عرض کیا جا چکا ہے۔

یوں تو اشباه و نظائر، فروق اور قواعد کلیه پر غور و خوض اور نئے نئے اصولوں اور کلیات کی دریافت کا کام دور صحابه کرام سے ھی شروع ہو گیا تھا لیکن اس میدان میں زیادہ زور و شور سے کام کا آغاز صحابه کرام کے تلامذه اور ان کے تلامذه نے کیا ۔

گو یه بات بظاہر عجیب سی محسوس ہو گی لیکن ذرا غور کیا جائے تو اسکا معقول اور منطقی ہونا صاف سمجھ میں آ جاتا ہے که اصول فقه، قواعد کلیه اور علم فروق و اشباه کی بنیادیں خود علم فقه سے بھی پہلے پڑنا شروع ہو گئی تھیں ۔ جہاں تک علم اصول فقه کے قواعد کا تعلق ہے تو ہم یقین کے ساتھ کہه سکتے ھیں که ان میں سے بہت سے اہم قواعد براه راست کبار صحابه کے وضع کرده ھیں ۔ مثال کے طور پر درج ذیل استدلالات ملاحظه ہوں جن کے ذریعه مختلف کبار صحابه نے مختلف اصولوں کی نشاندھی فرمائی :۔

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد مبارک میں جب سواد عراق کی زمینیں فتح ہوئیں تو صحابہ کرام کے مابین شدید اختلاف رائے پیدا ہوا ۔ اور ان زمینوں کے مستقبل کے انتظام اور بندوبست کے بارہ میں دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ۔ بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان مفتوحہ زمینوں کو فاتحین میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مفتوحہ زمینیں تقسیم فرمائی تھیں ۔ بعض دوسرے حضرات کی جن میں خود حضرت عمر بھی شریک تھے یہ رائے تھی کہ ان زمینوں کو تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ان کو ان کے سابق مالکان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے جن کی حیثیت مزارع کی ہو، زمین کی مالک اسلامی ریاست قرار پائے اور مزارعین سے جزیہ اور خراج وصول کیا جائے جو سرکاری خزانہ کے لئے آمدنی کے مستقل ذرائع رہیں ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے حامیوں نے بڑے شد و مد سے اپنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل دیئے ۔ یہ ساری بحث جو ایک ماہ تک جاری رہی اس کے کچھ اشارے مختصر طور پر امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں موجود ہیں ۔ (۲۲)

اس ضمن میں حضرت عمر نے اپنے نقطہ نظر کی تشریح و دفاع کرتے ہوئے فرمایا :

"و قدرأیت ان أحبس الارضینْ بعلوجها، وأضع علی أهلها الخراج، و فی رقابهم الجزیة یؤدونها، فتکون فیئا للمسلمین المقاتلة والذریة و لمن یاتی بعدهم ۔ أرأیتم هذه المدن العظام، الشام والجزیرة والکوفة و مصر ، لا بدلها من أن تشحن بالجیوش وادرار العطاء علیهم ، فمن أین یعطی هولاء اذا قسمت الارضون والعلوج ؟ "

,,میری رائے یہ ہے کہ میں ان زمینوں کو ان کے کارندوں سمیت روک رکھوں، ان پر کام کرنے والوں پر خراج اور ان کی اپنی ذات پر جزیہ عائد کر دوں جس کو یہ لوگ ادا کیا کریں ۔ اس طرح یہ زمینیں مسلمان مجاهدین، ان کی اولاد اور بعد والوں کے لئے ایک ذریعہ آمدن بن جائیں گی ۔ آخر آپ لوگ دیکھ رہے هیں کہ یہ بڑے بڑے علاقے شام، عراق، کوفه اور مصر موجود هیں جہاں بڑی بڑی فوجیں رکھنا پڑتی هیں اور ان کو تنخواهیں ادا کی جاتی هیں ۔ اگر یہ زمینیں کارندوں سمیت تقسیم کر دی گئیں تو پھر ان لوگوں کی تنخواهیں کہاں سے دی جائیں گی،، ؟ (۲۳)

یہاں واضح طور پر حضرت عمر فاروق اپنی رائے کی تائید اور دفاع میں مصلحت ملکی کا اصول پیش کر رہے هیں جو اصول فقه کا ایک بنیادی اصول ہے اور جس پر بہت سے فقہی قواعد کی اساس ہے ۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانۂ مبارک میں شراب خوری کی کوئی طے شدہ اور متعین سزا نہ تھی ۔ شراب خوری کے مجرم کو بلا کسی تحدید و تعیین کے سزائے ضرب دی جاتی تھی اور مسجد هی میں سزا سنا کر حاضرین سے کہا جاتا تھا کہ هاتھوں، مکوں اور جوتوں سے مجرم کو مناسب سزا دے دیں ۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا بھی دی جس پر حضرت عمر کے ابتدائی زمانہ تک عملدرآمد هوتا رہا ۔ پھر ایک مرحلہ پر حضرت عمر نے محسوس فرمایا کہ شرابخوری کے واقعات زیادہ هونے لگے هیں اور بالخصوص ان اقوام میں جو فتوحات کے نتیجہ میں نئی نئی اسلام میں داخل هو رهی تھیں ایسے لوگ آئے

دن پکڑے جاتے تھے جو بار بار شرابخوری کا ارتکاب کرتے تھے ۔ حضرت عمر نے یہ صورتحال کبار صحابہ کے مشورہ کے لئے پیش کی اور تجویز کیا کہ شرابخوری کی سزا بڑھانی چاهئیے ۔ اس پر بحث و مباحثہ هوا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے سب نے اتفاق کر لیا ۔ آپ نے فرمایا :

انه اذا شرب هذی، واذا هذی افتری فیجب ان یحد القاذف ۔

,,جب وہ شراب پئیے گا تو لازماً هذیان بکے گا ۔ اور جب هذیان بکے گا تو افترا پردازی بھی کرے گا، لهذا اس کو وہ سزا دی جائے جو قذف کرنے والے (یعنی افتراپردازی کرنے والے) کو دی جاتی ہے ۔ (۲۴)

چنانچہ علی مرتضیٰ کے استدلال کو قبول کرتے هوئے صحابہ کرام کے اتفاق سے حضرت عمر نے شرابخوری کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کر دی ۔ یہاں اس استدلال میں حضرت علی نے واضح طور پر دو ایسے قواعد کلیہ پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی جنهوں نے بعد میں بهت آگے چل کر واضح شکل اختیار کی، یعنی حکم بالمآل اور سد ذریعہ ۔ بالفاظ دیگر فقہ کا یہ اصول کہ معاملات کے جائز یا ناجائز هونے کا فیصلہ کرتے وقت محض ان کی ابتدائی اور ظاهری صورت هی کو نهیں دیکھا جائے گا بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ بالآخر ان سے کیا نتیجہ مرتب هوتا ہے (۲۵)

(۳) قرآن مجید میں بیوہ عورتوں کی عدت کے بارہ میں واضح هدایت یہ ہے کہ چار مهینہ دس دن کی عدت گذاریں ۔ سورۃ بقرہ میں (جس کو دور صحابہ و تابعین میں سورہ نساء کبریٰ بھی کہا جاتا تھا) ارشاد هوتا ہے: ,,والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن

بانفسهن اربعة اشهر و عشرا» (البقره ۲۳۴) یعنی تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے دس دن انتظار کریں ۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود جب کوفہ کے قاضی تھے تو ان کی عدالت میں ایک خاتون کا مقدمہ آیا جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا ۔ شوہر کے انتقال کے وقت خاتون حاملہ تھی اور اس کی عدت کا مسئلہ زیر بحث تھا ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورہ طلاق (جس کو دور صحابہ و تابعین میں سورہ نساء صغریٰ بھی کہا جاتا تھا) کی اس آیت سے استدلال فرمایا جس میں ارشاد ہوتا ہے : ,,واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن» اور حاملہ عورتوں کی مدت معینہ (یعنی عدت) یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے ۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ مذکورہ خاتون کی عدت چار مہینہ دس دن نہیں ہو گی بلکہ تا وضع حمل جو مدت بھی ہو گی وہ سب کی سب عدت شمار ہو گی ۔ یہ استدلال اور فیصلہ کرتے وقت آپ نے فرمایا : ,,اشهد ان سورة النساء الصغریٰ نزلت بعد سورة النساء الکبریٰ» میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورہ نساء بڑی سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے (۲۶)

یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے صاف بتایا کہ بعد میں نازل ہونے والا حکم پہلے نازل ہونے والے حکم کا یا ناسخ ہوتا ہے یا اس میں نئی شرائط اور حدود و قیود کے اضافہ کے ذریعہ اس کی تخصیص کرتا ہے۔

لہذا ہر سابقہ حکم اور فیصلہ کو بعد کے فیصلہ اور حکم کی روشنی میں پڑھنا ، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہئیے ۔ یہ قانون کی تعبیر و تشریح کا وہ اصول ہے جس کو نہ صرف اسلامی قانون بلکہ آج دنیا کے سارے ہی قوانین تسلیم کرتے ہیں ۔

صحابہ کرام کے فقہی استدلالات کی ایسی بہت سی مثالیں حدیث، تفسیر اور فقہ کی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں ۔ ان مثالوں پر غور کیا جائے تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ وہ عمومی اصول اور قواعد و کلیات جو بہت بعد میں اپنی موجودہ عبارتوں میں مرتب ہوئے اپنی ابتدائی اور مجرد (Abstract) شکل میں صحابہ کرام کے سامنے تھے ۔ صحابہ کرام کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ یہ اصول باقاعدہ شکل میں مدون کئیے جائیں یا ان کو کسی خاص عبارت کا جامہ پہنایا جائے ۔ اس کی ایک اور ابتدائی وجہ تو یہ ہے کہ اس دور میں علم فقہ اور اصول فقہ دوسرے اسلامی علوم کی طرح تدوین و تشکیل کے ابتدائی مرحلہ میں تھے اور ابھی ان کو مرتب و منضبط کرنے کا کام شروع نہیں ہوا تھا ۔ لیکن اس کی اصل اور حقیقی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اس کی ضرورت نہیں پڑی ۔ وہ اس کے محتاج نہیں تھے کہ قرآن و سنت سے استنباط و استدلال کرتے وقت ان آلات سے کام لیں ۔ بلکہ اپنے خالص ذوق عربیت ، حیرت انگیز اور خدا داد فہم و بصیرت اور بےمثال تربیت نبوی کی بدولت وہ قریب قریب جبلی طور پر ایسے استعدادی ملکہ کے حامل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو زبان رسالت سے نجوم ہدایت کا خطاب ملا (۲۷)

صحابہ کرام کے اس اسلوب اجتہاد و استدلال کو تابعین نے آگے بڑھایا ۔ اور جیسے جیسے فقہائے تابعین مختلف اسلامی احکام پر غور کرتے گئے یہ قواعد اور ان کے مابین پائے جانے والے فروق (distinctions) ان کے سامنے واضح اور منقح ہوتے چلے گئے ۔ خود قرآن مجید اور احادیث نبوی کے اسلوب بیان اور طرز استدلال نے بھی اس کام میں ان کی راهنمائی فرمائی ۔ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں شاذ و نادر ہی کلیات اور اصولوں کو کلیات اور اصولوں کے

طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا خاص طور پر اور احادیث نبویہ کا عام طور پر اسلوب یہ ہے کہ عمومی کلیات کو جزئی مثالوں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے ملتے جلتے احکام پر غور و فکر اور تدبر کرنے سے ان جزئی احکام میں جاری و ساری عمومی اصول اور ان کی پشت پر کار فرما قاعدہ کلیہ کا پتا چلتا ہے۔ اس معاملہ میں قرآن کا اسلوب استدلالی اور استخراجی (deductive) نہیں بلکہ استقرائی (Inductive) ہے۔ اس سارے عمل میں ابتدائی اهمیت اس بات کی ہے کہ پہلے ان ملتے جلتے جزئی احکام اور مشابہ مثالوں کو دریافت کیا جائے جو کسی ایک عمومی اصول یا قاعدہ کلیہ کے ماتحت آتے ہوں۔ ان ملتے جلتے جزئی احکام اور مشابہ مثالوں کا اصطلاحی نام الاشباہ والامثال یا الاشباہ و النظائر ہے۔ اپنے اس خاص فنی مفہوم میں پہلے پہل یہ اصطلاح ہمیں حضرت عمر فاروق کے اس شہرہ آفاق خط میں ملتی ہے جو انہوں نے عدالتی پالیسی اور نظام قضاء کے بارہ میں حضرت ابو موسی اشعری کو لکھا تھا۔ آں جناب نے لکھا تھا :

> الفهم الفهم فيما يتلجلج فى صدرک مما ليس فيه قرآن ولا سنة، واعرف الاشباه والامثال، ثم قس الامور بعد ذلک، ثم اعمد لأحبهاو أقربها الى الله وأشبهها بالحق ۔ (۲۸)

جن معاملات میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں ان کے بارہ میں خوب غور و فکر اور سمجھ بوجھ سے کام لو۔ (ایسے نئے نئے مسائل حل کرنے کے لئے) تم پہلے قرآن و سنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور مثالوں سے واقفیت پیدا کرو، پھر نئے امور کو قیاس

کرو اور وہ حل اختیار کرو جو اللہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور اقرب ہو اور حق سے زیادہ مشابہ لگتا ہو۔

غالباً حضرت عمر کے اس خط کے بعد ہی سے اس پورے علم کا نام علم الاشباہ والنظائر ہو گیا جس میں استقراء و تدبر کے اس عمل سے کام لے کر شریعت کے عمومی اصولوں اور قواعد کلیہ کا پتا لگایا جاتا ہے۔ دور صحابہ کے آخری زمانہ سے لے کر دوسری صدی ہجری کے وسط تک کی سو سالہ مدت میں اس میدان میں کتنا اور کیا کام ہوا اس موضوع پر کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں قریب قریب ہر قابل ذکر فقیہ نے اس سرگرمی میں حصہ لیا اور بہت سے اصولوں کی دریافت میں بعد والوں کے کام کو آسان بنایا۔ لیکن اس صد سالہ دور میں قواعد فقہیہ کے بجائے زیادہ زور قواعد اصولیہ پر رہا۔ امام شافعی کی شہرہ آفاق کتاب الرسالہ کو بغور پڑھا جائے تو اس کے پس منظر میں موجود اصولی بحثوں اور قانونی اختلافات کی وہ ساری بنیادیں صاف محسوس ہو جاتی ہیں۔ جن کے بارہ میں ایک صحیح نقطہ نظر کو منقح اور واضح کرنے کے لئے امام صاحب نے یہ کتاب لکھی تھی۔

قواعد کلیہ کے موضوع پر کتابیں :

قواعد کلیہ اور اس سے ملتے جلتے دوسرے موضوعات مثلاً الفروق وغیرہ پر جو لٹریچر ہم تک پہنچا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی طرف ایک باقاعدہ علم کی حیثیت سے حنفی فقہاء نے توجہ دی۔ یوں بھی فقہ حنفی دوسرے موجودہ فقہی مکاتب کے مقابلہ میں قدیم تر ہے اس لئے بھی یہ شرف حنفیوں ہی کو حاصل ہونا چاہئیے تھا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فقیہ جن کی تحریروں میں ان موضوعات پر باقاعدہ مباحث ملتے ہیں وہ امام محمد بن

الحسن الشیبانی ھیں ـ ان کی کتابوں بالخصوص الجامع الکبیر، کتاب الاصل اور کتاب الحجة علی اھل المدینة میں جا بجا ایسی بحثیں بکھری پڑی ھیں جنھوں نے علم قواعد و فروق کو منظم و منضبط کرنے میں بڑا نمایاں اثر ڈالا ـ امام محمد کا اسلوب نگارش، طرز استدلال اور مسائل فقھیه سے بحث کرنے کا انداز ایسا ہے که اس سے سب سے پہلے ملتے جلتے مسائل اور مشابه اصولوں سے واقفیت حاصل ھو جاتی ہے اور پھر ایسے مسائل کے مابین فرق یا فروق بھی واضح ھو جاتے ھیں جو بظاھر ایک جیسے ھوں لیکن دراصل ایک دوسرے سے مختلف ھوں ـ یہاں یه بات یاد رھے که نه صرف امام محمد کے ھاں بلکه علم فروق پر لکھنے والے دوسرے فقہاؒ کے ھاں بھی اول اول ان فروق سے بحث کی گئی جو مختلف فروعی مسائل کے مابین پائے جاتے ھیں ـ لیکن جب بالتدریج علم فروق نے نکھر کر ذرا باقاعده حیثیت اختیار کر لی تو پھر رفته رفته قواعد کلیه اور اصولی مباحث کے درمیان پائے جانے والے فروق پر بھی پہلے غور و فکر اور پھر تصنیف و تالیف کا آغاز ھو گیا ـ

شاید امام محمد کی انھی تاریخ ساز فقھی بحثوں کا اثر اور نتیجه تھا که حنفی فقہاء کے طبقه متقدمین، یعنی دور متون سے پہلے که فقہاء (۲۹) ، نے نه صرف قواعد کلیه کے موضوع پر قلم اٹھایا بلکه اس کو ایک باقاعده مستقل بالذات علم کی شکل بھی دے دی ـ انھوں نے سب سے پہلے اپنے امام ابو حنیفه کے فقھی اجتہادات پر خاص طور پر اور عام اسلامی احکام پر عام طور پر اس نقطه نظر سے غور کیا که ان کی پشت پر کون سے بنیادی اصول کارفرما ھیں، ان بنیادی اصولوں کا جوں جوں پتا چلتا گیا ان کو مختلف فقہائے کرام مرتب کرتے رھے ـ حنفیوں ھی سے یه چیز دوسرے فقھی مکاتب نے لی

اور اپنے اپنے اجتہادات کے مطابق اس کو ڈھال لیا ۔ شروع شروع میں ان قواعد کے لئے اصول کا لفظ اختیار کیا گیا چنانچہ امام ابوالحسن کرخي اور امام ابو زید دبوسی نے اصول (عربی میں اصل) ھی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان دونوں اصحاب نے امام ابو حنیفه ھی کے اصولوں سے بحث کی ہے اور امام ابو حنیفه نے مختلف مسائل میں جو اجتہادات کئیے تھے ان کی پشت پر کارفرما کلیات اور اصولوں کا ذکر کیا ہے ۔ (۳۰)

قواعد کلیه کا قدیم ترین مجموعه جو هم تک پہنچا ہے وہ امام ابو الحسن کرخی کا رساله اصول الکرخی ہے۔ امام صاحب کا پورا نام ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین ہے بغداد کے محله کرخ کے رهنے والے تھے ، اسی نسبت سے کرخی کہلائے ۔ ٢٦٠ ھ /٧٤ ۔ ٨٧٣ ء میں ولادت اور ۳۴۰ ھ / ۵۲ ۔ ۹۵۱ ء میں وفات ھوئی اس لحاظ سے وہ کبار ائمه محدثین میں سے امام ابن ماجه اور امام ابو داوٗد، امام ابو عیسیٰ ترمذی، امام ابو حاتم رازی ، امام دارمی ، امام ابو زرعه دمشقی ، امام بزار ، امام نسائی ، امام ابو یعلی الموصلی اور امام ابو عوانه کے کم سن معاصر تھے ۔ مشہور فقہاء میں ان کے نامور معاصرین میں امام ابو جعفر طحاوی اور امام داؤد ظاھری کا نام نمایاں ہے۔ ان جلیل القدر ائمه علوم کی موجودگی میں امام کرخی کو ان کے اھل زمانه نے بہت بڑا فقیه تسلیم کیا اور ان کو بالاتفاق اپنے دور کا سب سے بڑا حنفی فقیه مانا گیا ۔

رساله اصول الکرخی میں امام کرخی نے ۳۹ ایسے اصول و کلیات بیان کئیے ھیں جو ان کی رائے میں فقه حنفی کی بنیاد ھیں ۔ امام کرخی کے ان اصولوں کا بغور مطالعه کرنے سے پتا چلتا ہے که ان میں قواعد، ضوابط، اصول اور کلیات سب شامل ھیں ۔ ان میں کچھ

اصول تو ایسے عمومی کلیات کی حیثیت رکھتے ھیں جو فقه اسلامی کا مجموعی سرمایه قرار دیئے جا سکتے ھیں اور کچھ اصول ایسے ھیں جو محض حنفی طرز استدلال اور اسلوب اجتہاد کے مطابق فقہی مسائل کا حل معلوم کرنے اور فقہی احکام کی علت کا پتا چلانے میں ھی کارآمد ھو سکتے ھیں ۔ ان دوسری قسم کے اصولوں میں بعض ایسے اصول بھی ھیں جن کو کسی قدر شدید تنقید کا نشانه بھی بنایا گیا اور مختلف حنفی فقہاء نے ان کے دفاع میں بہت سے دلائل اور اعتذارات بھی پیش کئیے ۔ مثلاً اصول الکرخی میں دیا گیا اٹھائیسواں اصول ملاحظه فرمائیے :

الاصل ان کل آیة تخالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیح او علی التاویل من جهة التوفیق ۔

یعنی اصل یه ہے که ھر وہ آیت جو ھمارے اصحاب کے قول کے خلاف ھو تو اس کے بارہ میں سمجھا جائے گا که وہ منسوخ ہے ، یا کسی اور دلیل کو اس پر ترجیح حاصل ہے یا اس میں ایسی تاویل کی جائے که اس آیت میں اور ھمارے اصحاب کے قول میں موافقت پیدا ھو جائے ۔ (۳۱)

اگرچه اس اور اس جیسے دو ایک دوسرے اصولوں کی جو تعبیر و تشریح حنفی علماء کرتے آئے ھیں وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور نه اس اصول کی تطبیق کی وہ مثالیں جو علامه ابو حفص نسفی نے دی ھیں کس اعتراض کی گنجائش باقی رہنے دیتی ھیں لیکن اس کے ظاھری الفاظ چونکه ذرا موحش واقع ھوئے ھیں اسلئے کسی نه کسی تردد کی گنجائش بھرحال رہتی ہے ۔

بھر حال ایک آدھ ایسے مختلف فیه اصول کی موجودگی سے کتاب کی قدرو قیمت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ھوتی اور

امام کرخی کا یہ لا زوال امتیاز اپنی جگہ باقی رهتا ہے کہ وہ قواعد فقهیه پر سب سے پہلی موجود کتاب کے مصنف هیں ۔ امام کرخی نے اس کتاب میں جو ۳۹ کلیات جمع کئیے هیں ان میں بعض حضرات (علی اختلاف آراء) ان دو یا تین اصولوں کو شامل نہیں کرتے جو بقول ان کے حنفیت کی زائد از ضرورت تائید و مدافعت پر مبنی هیں ۔ (۳۲)

ان کلیات میں غالباً امام ابو طاهر الدباس کے مرتب کردہ وہ سترہ قواعد بھی شامل هیں جن کا ذکر گذر چکا ہے۔ ابو طاهر الدباس بھی امام کرخی کے هم عصر تھے ۔ ان کا پورا نام محمد بن محمد الدباس ہے۔ عراق میں فقہائے اهل الرائے کے امام کہلاتے تھے ۔ روایات کے بھی حافظ اور ماهر تھے ۔ شام میں قاضی بھی رهے ۔ (۳۳) علامہ حموی شارح اشباہ و النظائر نے ان کے والد کا نام ابو سفیان بیان کیا ہے۔ بظاهر ان کا نام محمد اور کنیت ابو سفیان تھی ۔ غالباً ان کے والد شیرہ یا راب (دبس) بنایا کرتے تھے اس لئے یہ خاندان دباس (شیرہ ساز یا راب گر) کے لقب سے مشہور هو گیا ۔ (۳۴) لیکن قطعیت کے ساتھ یہ تعین کرنا مشکل معلوم هوتا ہے کہ امام کرخی کے ان ۳۹ اصولوں میں وہ سترہ قواعد کون سے هیں جو امام ابو طاهر دباس نے مرتب کئیے تھے ۔

امام کرخی کے ان ۳۹ اصولوں کی مختصر تشریح بعد کے ایک اور نامور حنفی فقیہ امام نجم الدین ابو حفص عمر النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) نے کی ۔ انہوں نے هر قاعدہ کے ما تحت ایک یا چند صورتوں میں ایک سے زائد مثالیں دے کر ان اصولوں کی افادیت بڑھا دی ۔ ذیل میں بطور مثال دو ایک قواعد اور ان کی مثالیں درج کی جاتی هیں جن سے یہ اندازہ هو گا کہ امام نسفی نے کس انداز سے مختصر مثالوں

کے ذریعہ اپنے پیشرو امام کرخی کے بیان کردہ قواعد کو واضح کیا اور سمجھایا ہے :

امام کرخی نے اصل نمبر ۲ میں بتایا ہے :

الاصل ان الظاهر يدفع الاستحقاق ولا يوجب الاستحقاق

اصول یہ ہے کہ حالت ظاہری مانع استحقاق ہے موجب استحقاق نہیں ہے۔

یعنی محض کسی ظاہری حالت یا کیفیت کی بنیاد پر کوئی شخص اپنے لئے کسی استحقاق (Right or entitlement) کا دعوی نہیں کر سکتا، البتہ کسی دوسرے شخص کے کسی ایسے دعوی کو جس کی بنیاد کسی دلیل یا ثبوت پر نہ ہو حالت ظاہری کی بنیاد پر مسترد کیا جا سکتا ہے۔ امام نسفی نے اس کی جو مثال دی ہے وہ یہ ہے :

اگر کسی شخص کے قبضہ میں کوئی مکان یا جائیداد ہو اور دوسرا شخص آن کر اس کی ملکیت کا دعوی کر دے تو جب تک وہ کوئی واضح اور ناقابل تردید ثبوت پیش نہیں کرے گا اس کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا ، اس لئے کہ یہاں حالت ظاہری (یعنی مدعا علیہ کا قبضہ) مدعی کے استحقاق کی مانع ہے۔ اس کے برعکس اگر اس مکان یا جائیداد کے برابر میں کوئی مکان یا جائیداد فروخت ہو اور یہ قابض شخص محض اس بنیاد پر اس فروختنی جائیداد پر حق شفعہ حاصل کرنا چاہے کہ وہ برابر کے مکان کا قابض ہے تو اگر مدعا علیہ اس قابض کے مالک ہونے کا انکار کرے تو محض قبضہ کی بنیاد پر اس کو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہو گا جب تک وہ کسی دلیل اور واضح ثبوت سے اپنے مالک ہونے کو ثابت نہ کرے، اس لئیے کہ حالت ظاہری موجب استحقاق نہیں ہے۔ (۳۵)

اصل نمبر ۹ میں فرماتے هیں :

الاصل أن السوال و الخطاب یمضی علی ما عم وغلب، لا علی ما شذ و ندر۔

اصول یه ہے که سوال اور گفتگو کی بنیاد وہ (معانی اور تصورات) هوتے هیں جو عام اور هر جگه رائج هوں، وہ نهیں جو شاذ هوں اور کبھی کبھار استعمال هوتے هوں۔

یہاں امام کرخی نے عرف و عادت (Custom اور Usage) کے بارہ میں وہ اصول بیان کیا ہے جس نے آگے چل کر بہت واضح شکل اختیار کی اور جس کے بہت سے پہلوؤں کو الگ الگ قواعد کی صورت میں مرتب کیا گیا۔ (۳٦) امام نسفی اس کے عملی انطباق کے مثال دیتے هوئے بیان کرتے هیں: اگر کوئی شخص یه قسم کھا لے که انڈا نهیں کھاؤں گا تو اس سے مراد پرندوں کے انڈے لیئے جائیں گے، مچھلی وغیرہ کے انڈے نهیں۔ لهذا اگر وہ مچھلی کا انڈا کھا لے تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ واجب نه هوگا؛ البته اگر وہ کسی پرندے کا انڈا کھائے گا تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

اس سے ملتا جلتا اصول امام کرخی نے اصل نمبر ۱۰ کے تحت بیان کیا ہے۔

فرماتے هیں :

الاصل ان جواب السوال یجری علی حسب ما تعارف کل قوم فی مکانهم۔

اصول یه ہے که کسی سوال کا جواب اس (تصور اور مفهوم) کے مطابق هوگا جو کسی قوم کے هاں اس کے علاقه میں معروف و مروج هو۔

اس اصول کا تعلق بھی عرف و عادت کے تصورات سے ہے۔ لیکن اس کی تشریح میں امام نسفی نے جو مثال دی ہے وہ اس اصل نمبر ۱۰ کے مقابلہ میں اصل نمبر ۹ پر زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ فرماتے ھیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ کھانا نہیں کھاؤں گا تو محض دودھ پی لینے سے قسم ٹوٹ جائے گی اگر وہ کسی عرب ملک میں ہو۔ لیکن کسی عجمی ملک میں ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ غذا اور کھانے سے مراد ہر قوم میں وہی چیز ہو گی جو ان کے ھاں اس حیثیت سے متعارف و مقبول ہو ۔ (۳۷)

امام کرخی کے بیان کردہ ۳۹ اصولوں کا یہی انداز ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں اپنے دریافت کردہ اصول بیان کرتے ھیں اور امام نسفی بہت مختصر انداز میں مثالیں دیتے جاتے ھیں ۔ لیکن یہ اصول اور ان کی مثالیں اتنی مختصر ھیں کہ جس شخص کو فقہ سے خاصا مس نہ ہو وہ ان سے بسہولت استفادہ نہیں کر سکتا ۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ امام کرخی کے ان اصولوں کو آئندہ صدیوں میں مزید صیقل کیا جاتا رہا اور ان میں سے قریب قریب سبھی کی عبارتی شکل وہ نہیں رہی جو امام کرخی نے مرتب کی تھی ۔ مثلاً مجلة الاحکام العدلیہ میں جو ۹۹ اصول دیئے گئے ھیں ان میں صرف ایک ایسا ہے (اصل نمبر ۱) جس کی عبارت جزوی طور پر مجلہ کے متعلقہ قاعدہ (نمبر ۴) سے ملتی جلتی ہے۔ ورنہ بقیہ سب اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مجلہ میں موجود ھیں لیکن ان الفاظ اور عبارتوں میں نہیں جو امام کرخی نے مرتب کی تھیں ۔

اصول الکرخی کے بعد اس میدان میں سب سے اہم کام امام ابو زید عبیداللہ بن عمر الدبوسی کی کتاب تاسیس النظر کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا ۔ امام ابو زید دبوسی (متوفی ۴۳۰ ھ/۱۰۳۹ ع)

اپنے زمانہ کے نہایت نامور حنفی فقیہ تھے ۔ فقیہانہ استدلال اور قانونی بصیرت و مہارت میں ضرب المثل مانے جاتے تھے ۔ مورخ ابن خلکان کے بیان کے مطابق انہوں نے ھی سب سے پہلے علم الخلاف یا علم اختلاف الفقھاء (تقابلی مطالعۂ قانون) کی طرح ڈالی اور اس کو ایک باقاعدہ منفرد علم قرار دیا ۔ (۳۸) امام دبوسی نے اس کتاب میں قواعد کلیہ کے ساتھ ساتھ مختلف قواعد کے تحت آنے والے احکام کی بھی مثالیں دی ھیں ، اسی طرح مختلف فقہی ابواب کے تحت مسائل کو منضبط کرنے والے بعض اھم ضوابط بھی کتاب میں درج کئیے ھیں ۔ انہوں نے اس کتاب کو درج ذیل نو اجزاء میں تقسیم کیا ہے ۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دو نامور شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کے درمیان پائے جانے والے فقہی اختلاف آراء کی بنیادیں ۔ اس حصہ میں وہ قواعد و اصول دیئے گئے ھیں جن سے امام ابو حنیفہ اور ان کے ان دو شاگردوں کے نقطہ ھائے نظر کے فرق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔

(۲) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام محمد نے اختلاف کیا ہے ۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام ابو یوسف نے اختلاف کیا ہے ۔

(۴) امام ابو یوسف اور امام محمد کے مابین پائی جانے والی اختلافی آراء کے اصول و قواعد ۔

(۵) تین ممتاز حنفی ائمۂ فقه امام محمد، امام حسن بن زیاد اللولؤی (اور غالباً امام ابو یوسف) ۔ (٣٩) کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے ان کے ایک اور نامور حنفی رفیق امام زفر نے اختلاف کیا ہے۔

(٦) حنفی ائمه فقه (امام ابو حنیفه، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیره) کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام دارالهجرت امـام مالک نے اختلاف کیا ہے۔

(٧) تین ممتاز حنفی ائمه فقه (امام محمد، امام زفـــر اور امـــام حســـن بـــن زیـــاد) کی ان فقہی آراء کے اصـــول و قواعد جن میں انہوں نے امام ابو حنیفه کے نامور معاصر قاضی ابن ابی لیلی (متوفـی ١٣٨هـ) کی آراء و اقوال سے اختلاف کیا ہے۔

(٨) مذکوره بالا حنفی ائمه فقه کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں انہوں نے امام محمد ادریس الشافعی کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

(٩) متفرق اختلافی اقوال و آراء کے اصول و قواعد ۔

ان نو اجزاء میں سے ہر ایک جزو کو مختلف ابواب کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب میں ان موضوع سے متعلق یا اس سے ملتے جلتے امور سے متعلق اصول و کلیات بیان کئے گئے ہیں ۔ ہر اصل اور کلیه کی مثالیں اور تطبیقی نظائر بھی توضیح مراد کی غرض سے دیئے گئے ہیں ۔ لیکن یه بات پیش نظر رہے که امام دبوسی نے ,,اصل،، کا لفظ عمومی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ جس میں قواعـد ضوابط اور اصول سب شامل ہیں ۔

دوسرے فقہاء کے ہاں علم قواعد

فقہائے احناف کی ان ابتدائی تصنیفی مساعی کے بعد دوسرے فقہی مسالک نے بھی اس فن کی طرف توجہ دی ۔ اس وقت ہمارے سامنے اس موضوع پر جو لٹریچر موجود ہے اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلکی اعتبار سے قواعد کلیه اور اس سے متعلقه موضوعات فروق وغیرہ پر کام کرنے کی ترتیب یه رهی ہے :

(۱) فقه حنفی

(۲) فقه شافعی

(۳) فقه حنبلی

(۴) فقه مالکی

(۵) اور فقه شیعی

اس ضمن میں تیقن کے ساتھ تو یه کہنا مشکل ہے که فقہائے شافعیه میں سب سے پہلے کس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ۔ لیکن اس امر پر خود شافعی فقہاء بھی متفق هیں که قواعد فقهیه کی تدوین کا ابتدائی سہرا فقہائے احناف کے سر ہے۔ چنانچه قواعد کلیه پر لکھنے والے نامور ترین شافعی فقیه علامه جلال الدین سیوطی کو اعتراف ہے که ان قواعد کا آغاز حنفی فقیه امام ابو طاهر الدباس نے کیا تھا اور پہلے شافعی فقیه جنھوں نے اس طرف توجه کی وہ ہرات کے قاضی ابو سعید الهروی تھے جنھوں نے بوریے میں چھپ کر ابو طاهر کے ستره قواعد میں سے سات قواعد ,,سرقه،، کئیے تھے ۔ قاضی ابو سعید نے جب یه سات قواعد لے کر فقہائے شافعیه کے حلقوں میں متعارف کرائے تو قاضی حسین نے انهی قواعد کی طرز پر فقه شافعی کے قواعد مرتب کیئے اور غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے که امام شافعی کے اجتہادات کی بنیاد ان چار قواعد پر ہے :

(۱) اليقين لا يزول بالشک : یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ۔

(۲) المشقة تجلب التیسیر : مشقت سہولت کو جنم دیتی ہے یا سہولت کا باعث بنتی ہے۔

(۳) الضرر یزال : ضرر کو ختم کیا جائے گا ۔

(۴) العادة محکمة : رسم و رواج کو حکم ٹھہرایا جائے گا ۔

بعد میں بعض شافعی فضلاء نے ان چار میں ایک پانچویں قاعدہ کا بھی اضافہ کیا جو یہ تھا :

(۵) الامور بمقاصدھا، معاملات کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہو گا ۔ (۳۰)

چونکہ اسلام کے بنیادی ارکان بھی پانچ ہیں اس لئے ان بنیادی قواعد کے لئے پانچ کا عدد فقہائے کرام کے حلقوں میں خاصا مقبول ہوا ۔ علامہ علائی نے کہا یہ آخری اضافہ بہت مناسب ہے اس لئے کہ خود حضرت امام شافعی نے حدیث ,,انما الاعمال بالنیات،، یعنی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے (جس سے یہ قاعدہ ماخوذ ہے) کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس میں ایک تہائی علم شریعت آ جاتا ہے۔ لیکن علامہ تاج الدین سبکی کا کہنا ہے کہ ان پانچ قواعد کو سارے علم فقہ کی بنیاد قرار دینا محض تکلف اور زبردستی ہے۔ مثلاً پانچواں قاعدہ (الامور بمقاصدھا) اپنے نتائج کے اعتبار سے پہلے قاعدہ کے مفہوم میں شامل ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر قاضی عزالدین بن عبدالسلام نے تو سارے علم فقہ کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیا ہے :

(الف) مصالح کا حصول

(ب) مفاسد کا دفعیہ

بلکہ ذرا غور کیا جائے تو ان دونوں کو بھی الگ الگ بیان کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ مفاسد کا دفعیہ بھی مصالح و مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے ۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ دراصل مصلحت کا حصول ھی سارے علم فقہ کا اصل الاصول ہے۔ بناء بریں اگر مذکورہ بالا قواعد میں سے کوئی ایک قاعدہ سارے علم فقہ کی بنیاد بن سکتا ہے تو وہ اوپر بیان کیئے گئے پانچ قواعد میں سے تیسرا قاعدہ ہے یعنی الضرر یزال (ضرر اور نقصان کو ختم کیا جائے گا) (۴۱)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ قاضی حسین جن کا پورا نام قاضی ابو علی حسین بن محمد المروزی (متوفی ۴۶۲ھ) تھا پہلے شافعی فقیہ ھیں جنھوں نے فقہ شافعی پر قواعد فقھیہ کے نقطہ نظر سے غور کیا اور مذکورہ بالا چار قواعد مرتب کئے ۔ قاضی حسین ھی کے ایک ھم عصر شافعی فقیہ ابوالعباس احمد بن محمد الجرجانی الشافعی (متوفی ۴۸۲ھ) تھے جنھوں نے کتاب المعایاۃ فی العقل کے نام سے علم الفروق پر ایک کتاب لکھی ۔ چونکہ علم فروق اور قواعد کلیہ کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس علم سے متعلق قدیم ترین شافعی کتاب یہی کتاب المعایاۃ ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اھم کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ھو سکی ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ قاھرہ میں نمبر ۹۱۵ فقہ شافعی پر موجود ہے۔ ممتاز محقق ڈاکٹر محمد طموم نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اس کتاب کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے ابواب کے عنوانات بھی فقہی (نہ کہ اصولی) انداز کے ھیں ۔ لیکن ابواب کی ترتیب اور مندرجات میں کوئی یکسانیت نہیں ہے۔ بعض جگہ دو مسئلوں کے مابین فرق بیان کر کے چھوڑ دیا ہے۔ بعض جگہ تفصیل سے احکام کا ذکر کیا ہے۔ بعض جگہ انداز بیان سوال و جواب کا سا ہے۔ اسلوب بیان بھی ڈاکٹر

محمد طموم کی رائے میں چیستان جیسا ہے۔ (۴۲) اس کتاب کے علاوہ فقہ شافعی میں قواعد و فروق پر اور بھی کئی کتابیں بعد کی صدیوں میں لکھی گئیں، لیکن نہ معلوم کن اسباب کی بناء پر ان کو بہت زیادہ قبول عام حاصل نہیں ہو سکا، ایسی بیشتر کتابیں یا تو مرور زمانہ سے ضائع ہو گئیں یا ابھی تک قلمی کتب خانوں کی زینت ہیں اس ضمن میں بعض اہم قلمی کتابوں کا تعارف آ گے چل کر پیش کیا جائے گا۔

علم قواعد اور اس کے متعلقہ مباحث پر فقہ شافعی کی سب سے مقبول اور اولین کتاب قاضی عزالدین بن عبدالسلام السلمی (المتوفی ٦٦٠ھ) کی قواعد الاحکام فی مصالح الانام ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع اور قدیم کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کو قریب قریب ہر دور میں قبولیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب اس کی اعلی علمی حیثیت اور منطقی انداز بیان کے علاوہ مصنف کا تقوی، خداترسی اور بلند اخلاقی کردار بھی تھا ۔ کتاب میں مصلحت کے بنیادی تصور، اس کی قسموں، تفصیلات اور اطلاقات سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ شریعت کے احکام کی بنیادی غرض بندوں کی مصلحتوں اور فوائد کا حصول ہے ۔ کتاب میں اگرچہ خود کوئی قواعد کلیہ بیان نہیں کیئے گئے لیکن جن قواعد کی بنیاد تصور مصلحت پر ہے ان کی بڑ ی عمدہ تشریح اور تطبیق اس کتاب میں ملتی ہے۔

حنبلی فقہاء میں جن حضرات نے سب سے پہلے قواعد کے موضوع پر جداگانہ کتابیں لکھیں اور ہم تک پہنچیں ان میں علامہ ابن رجب کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ابن رجب کا پورا نام عبدالرحمن بن احمد بن رجب البغدادی الدمشقی ہے۔ بغداد میں ٧٣٦ھ (مطابق

۱۳۳۵ء) میں پیدا ہوئے اس لئے بغدادی کہلاتے ہیں ۔ نو عمری ہی میں ۷۴۴ھ (مطابق ۱۳۴۳ء) میں بغداد سے ترک وطن کر کے دمشق چلے گئے اور بقیہ تمام عمر وہیں گذاری اس لئے دمشقی کہلاتے ہیں

دمشق ہی میں ۴ رمضان المبارک ۷۹۵ھ (مطابق ۱۳۹۳ء) کو انتقال ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کے قرب باب الصغیر میں دفن ہوئے ۔

علامہ ابن رجب کی کتاب جو عام طور پر قواعد ابن رجب کہلاتی ہے فقہ حنبلی کی اہم اور مقبول کتابوں میں سے ہے ۔ اس کا مکمل نام تقریر القواعد و تحریر الفوائد ہے ۔ عرب ممالک میں کئی بار چھپ چکی ہے ۔ قاہرہ سے ایک مقبول ایڈیشن ۱۹۷۱ میں بڑی تقطیع کے ۴۸۷ صفحات پر شائع ہوا تھا ۔ مصنف نے اس کتاب میں ایک سو ساٹھ قواعـــد اور آخر میں ۲۱ فوائد ذکر کئیے ہیں ۔ لیکن اس کتاب میں قواعد سے ان کی مراد فنی اعتبار سے فقہی قواعد نہیں ہیں بلکہ غالباً وہ لفظ قواعد کو مباحث یا ملتے جلتے مباحث کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں ۔ ان کا اسلوب یہ ہے کہ وہ قاعدہ کے عنوان سے کسی ایک بنیادی فقہی مسئلہ کو لے کر اس کو بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۔ ساتھ ہی اس سے ملتے یا اس سے نکلنے والے ذیلی فقہی مسائل سے بھی بحث کرتے جاتے ہیں ۔ عصر حاضر کے نامور فقیہ استاذ مصطفی احمد الزرقاء اس کتاب کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وهو كتاب عظيم القيمة ، يحمل من الثورة الفقهية ما يجل عن الوصف ۔

یہ ایک نہایت بیش بہا کتاب ہے ۔ اس میں جو قانونی و فقہی سرمایہ موجود ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ (۴۳)

حاجی خلیفه نے بھی کشف الظنون میں اس کو علمی دنیا کے عجائبات میں سے قرار دیا ہے۔ (۴۴) لیکن اپنی اس زبردست اھمیت اور بےمثال قدر و قیمت کے باوجود خود یہ کتاب براہ راست قواعد کلیہ، ضوابط فقہیہ یا اصول توجیہیہ کے موضوع پر نہیں ہے۔ ہاں اس میں جا بجا بہت سے قواعد و ضوابط اور اصول بکھرے ہوئے ھیں ۔

فقہ حنبلی میں دوسری قابل ذکر کتاب انہی علامہ ابن رجب کے تلمیذ رشد علامہ ابن اللحام کی کتاب القواعد ہے جس کا پورا نام القواعد و الفوائد الاصولیة و ما یتعلق بها من الاحکام الفرعیة ہے۔ علامہ ابن اللحام کا پورا نام ابو الحسن علاء الدین علی بن عباس ابن اللحام العبلی الحنبلی تھا ۔ ۸۰۳ھ میں قاھرہ میں عیدالاضحیٰ کے روز فوت ہوئے ۔ اصلاً دمشق کے رہنے والے تھے، وھیں فقہ و شریعت کی تعلیم حاصل کی اور حافظ ابن رجب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے فقہ حنبلی میں اختصاص کیا ۔ پھر دمشق ھی میں اپنے استاذ کے زیر نگرانی تدریس و افتاء کا کام کیا ۔ جامع اموی دمشق میں وعظ کی ذمہ داری بھی انجام دی ۔ درس و افتاء اور وعظ و ارشاد کے اس کام نے ان کو شام میں شیخ الحنابلہ بنا دیا ۔ اس اثناء میں کچھ عرصہ کے لئے دمشق کے نائب قاضی بھی رھے ۔ لیکن جب باقاعدہ قاضی کا منصب سنبھالنے کے لئے کہا گیا تو معذرت کر دی ۔ شام پر تاتاری قبضہ کے بعد شام سے ترک وطن کر کے مصر چلے گئے اور قاھرہ میں سکونت اختیار کر لی اور منصوریہ میں درس و تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی ۔ وھیں عیدالاضحی کے روز وفات پائی ۔ (۴۵)

قواعد کلیه پر کام کرنے والے متاخر حنفی فقهاء :

متقدمین کے انداز پر قواعد کلیه پر کام کرنے والے آخری اهم حنفی فقیه علامه زین العابدین ابراهیم ابن نجیم المصری (متوفی ۹۷۰ھ) هیں ۔ انهوں نے اپنی کتاب الاشباه و النظائر میں قواعد کلیه، فروق، الاشباه والنظائر وغیره ملتے جلتے علوم سے بحث کی ہے ۔ انهوں نے اپنی اس کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ اور هر حصه کو فنّ کا نام دیا ہے ۔ ابن نجیم کی یه کتاب اپنی ترتیب اور مندرجات میں ان کے شافعی پیش رو علامه جلال الدین سیوطی کی الاشباه و النظائر سے بهت مماثل و مشابه ہے ۔ معلوم هوتا ہے که ابن نجیم نے اسی کو بنیاد بنا کر اپنی کتاب مرتب کی ۔

فن اول میں ۲۵ قواعد سے بحث کی ہے اور ان پچیس قواعد کو پهر دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ پهلے حصه میں وه چهه قواعد درج کیئے هیں جن کو ابن نجیم کی رائے میں فقه اسلامی کی بنیاد کا درجه حاصل ہے ۔ ان کے نزدیک فقه اسلامی کے دوسرے تمام قواعد کلیه، اصول، ضوابط اور فروعی احکام سب بلاواسطه یا بالواسطه ان چهه قواعد سے متعلق هیں ۔ ان میں پانچ قواعد تو وهی هیں جن کو امام ابو طاهر الدباس سے چهپ کر ابو سعید هروی نے سن لیا تها، یعنی :

(۱) الامور بمقاصدها (۲) الضرر یزال (۳) العادة محکّمة
(۴) الیقین لایزول بالشک (۵) المشقة تجلب التیسیر ۔

ایک اور کا ابن نجیم نے اضافه کیا : (٦) لا ثواب الا بالنیة ۔ لیکن علامه مصطفی احمد زرقاء نے بجا طور پر لکها ہے که اس کو ایک الگ بنیادی قاعده شمار کرنا درست نهیں معلوم هوتا ۔ غور کیا جائے تو یه پهلے قاعده هی کا ایک ذیلی قاعده ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے که الامور بمقاصدها میں اخروی اجر و ثواب کے ساتهه ساتهه دنیوی

نتائج و تصرفات اور فیصلے بھی شامل ھیں جب که لاثواب الا بالنیة میں محض اخروی ثواب کا ذکر ہے۔ بہرحال یہ دونوں قاعدے مشہور حدیث ,, انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانوی سے ماخوذ ھیں اور اسی کے دو مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ھیں ۔

دوسرے حصه میں ابن نجیم نے مختلف موضوعات پر ۱۹ قواعد بیان کیئے ھیں جو پہلے چھ یا پانچ قواعد کی به نسبت کم جامعیت رکھتے ھیں اور ان کے اطلاق کی همه گیری ذرا کم ہے۔

ان سب قواعد سے جس قسم کے احکام نکلتے ھیں اور جہاں جہاں ان کا اطلاق ہوتا ہے ان سب پر ابن نجیم نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ابن نجیم کی یه کتاب عرب و عجم میں بار بار چھپ چکی ہے اور دنیائے حنفیت کی ایک مقبول و متداول کتاب ہے۔

بارھویں صدی هجری کے وسط میں ترکی کے حنفی فقیه علامه محمد ابو سعید الخادمی نے قواعد کلیه پر قابل ذکر کام کیا ۔ انہوں نے اصول فقه پر ایک کتاب مجامع الحقائق کے نام سے لکھی جس کے آخری باب میں قواعد کلیه سے بحث کی ۔ یه کتاب ۱۳۰۸ھ میں قسطنطنیه کے مطبعه عامره سے چھپی ۔ انہوں نے خود ھی اس کی ایک شرح بھی لکھی تھی جو منافع الحقائق کے نام سے اسی متن کے ساتھ شائع ہوئی تھی ۔

قواعد کو انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیا ہے کل ۱۵۴ قواعد بیان کیئے (۳۶)۔ ان میں سے بعض قواعد تو وہ ھیں جو علامه مصطفی زرقاء کی تقسیم کے مطابق اصول توجیہیه ھیں جو مرتب نے حنفی فقہاء کے لئے مرتب کئے ھیں تاکه وہ احکام کے استنباط و استدلال اور تعلیل میں ان سے راهنمائی لیں ۔ بعض اور قواعد ایسے ھیں جو مجله وغیرہ میں موجود متداول قواعد سے Over Lap

ہوتے ہیں۔ بقیہ قواعد کلیہ ہیں جو علامہ خادمی نے ابن نجیم سے لے کر اضافے کیئے ہیں۔

یاد رہے کہ حروف تہجی کی ترتیب سے قواعد کلیہ کو بیان کرنے کی طرح آٹھویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ علامہ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے ڈالی تھی۔ انکی کتاب المنثور فی ترتیب القواعد الفقھیہ میں قواعد کی ترتیب حروف تہجی کی بنیاد پر ہے (۴۷)۔

مجلة الاحکام العدلیہ نے قواعد کلیہ کے فروغ میں بڑا کردار ادا کیا۔ مجلہ نے ابن نجیم اور خادمی وغیرہ کے ہاں جو موتی بکھرے ہوئے تھے ان کو مہذب و منقح کر کے ۹۹ قواعد کی صورت میں مرتب کیا اور مجلہ کی دفعہ ۲ سے ۱۰۰ تک ۹۹ قواعد کی حیثیت سے گویا قانونی شکل دے دی۔ اگرچہ مجلہ کے مقدمہ کی رو سے ان دفعات (۲ ــ ۱۰۰)کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مجلہ کی بقیہ دفعات کی ہے تاہم پہلی بار قواعد یا Maxims کو ایک قانون موضوعہ کا جزو قرار دیا گیا۔ اس سے ان کے مطالعہ اور درس و تدریس کی عام رو چل پڑی۔

مجلہ کے ہر شارح نے ان قواعد کی بھی شرح کی۔ چنانچہ پانچ شارحین مشہور ہیں :

(۱) خالد الاتاسی

(۲) علی حیدر

(۳) منیر القاضی

(۴) یوسف آصاف

(۸) سلیم بن رستم باز لبنانی (مسیحی)

ان شارحین میں ابتدائی دو یعنی خالد الاتاسی اور علی حیدر کی شرحیں بہت مقبول و متداول رہی ہیں۔ اول الذکر حال ہی میں

پاکستان میں بھی پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہو رہا ہے اور جلد اول کا ترجمہ جس میں مجلہ کے ۹۹ قواعد کلیہ کی مفصل شرح بھی شامل ہے پہلے ہی چھپ چکا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں جو ۹۹ قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہیں وہ اپنی جامعیت ، عبارت کی خوبصورتی اور اختصار کی وجہ سے سارے قواعدی لٹریچر میں ممتاز ہیں ۔ مجلہ کے مرتبین نے اس وقت تک ہونے والے سارے (حنفی) کام سے استفادہ کیا اور ۹۹ عمومی قواعد منتخب کر کے جمع کر دیئے ۔

لیکن مجلہ کے قواعد میں تکرار کے ساتھ ساتھ تداخل بھی پایا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ ان میں سے بعض قواعد تو بالکل بنیادی نوعیت کے ہیں اور بعض میں نسبۃً فروعی پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاذ مصطفی زرقاء نے ان کو دو زمروں میں تقسیم کیا ہے :

(۱) بنیادی قواعد

(۲) فروعی قواعد

بنیادی قواعد سے ان کی مراد وہ اساسی قواعد ہیں جن سے بہت سے فروعی احکام اور متعدد فروعی قواعد نکلتے ہیں لیکن وہ خود کسی دوسرے قاعدہ سے ماخوذ نہیں ہیں ۔ فروعی قواعد سے مراد وہ قواعد ہیں جو کسی بنیادی اور اساسی قاعدہ کی ذیلی تشریحات کے ضمن میں آتے ہیں یا اس کی کسی فرعی بحث سے اعتناء کرتے ہیں ۔

مجلہ کی مرتب کرنے والی کمیٹی نے قواعد کو بیان کرنے میں کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہیں رکھی تھی ۔ بلکہ بلاکسی ترتیب یا

معنوی رعایت کے قواعد بیان کر دیئے تھے ۔ ان میں یہ رعایت بھی نہیں رکھی گئی تھی کہ ہم معنی یا قریب المعنی قواعد یکجا ذکر کئیے گئے ہوں، یا کسی ایک بحث یا موضوع سے متعلق قواعد یکجا ہوں (۴۸)

مثلاً یہ قواعد ایک موضوع سے متعلق ھیں لیکن الگ الگ بکھرے ہوئے ھیں ۔ ۶۰، ۶۱، ۶۲ ، ۱۲ ، یا یہ قواعد ۵، ۱۰، ۹ ، ۸ ، ۱۱، ۱۳، ۵۷، ۴۳، ۳۷، ۲۷، ۳۸، یا یہ قواعد ، ۳۱،۱۹ ، ۲۰، ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۲۶، یا مثلاً یہ قواعد ، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۳۲ ۔

مجلة الاحکام العدلیه کے بعد قواعد کلیه پر نمایاں کام مفتی دمشق شیخ محمود حمزہ کا ہے جو سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے زمانہ میں دمشق میں مفتی تھے ۔

انہوں نے ایک جامع کتاب الفوائد البہیه فی القواعد و الفوائد الفقهیه کے نام سے لکھی جس میں انہوں نے قواعد کلیه، ضوابط فقهیه، اصول فقهیه سب کا بھرپور استقصاء کر کے ان کو فقہی ابواب پر مرتب کر دیا ۔ مجله سے باہر بھی جہاں جہاں سے کام کی باتیں ملیں وہ سب لے لیں ۔ ہر قاعدہ ، ضابطه اور اصول کی تطبیق کی مثالیں بھی دی ھیں ۔ فوائد کے عنوان سے جابجا بعض بنیادی احکام بھی بیان کرتے گئے ھیں ۔

یہ کتاب ۱۲۹۸ھ میں دمشق میں چھپی ۔ لیکن خالص قواعد کلیه (مجله کے انداز کے) ان میں بھی نسبةً کم ھیں ۔ یا تو مختلف فقہی ابواب کے ضوابط ھیں یا ایسے بنیادی احکام اور اصول ھیں جو کسی ایک یا دو فقہی ابواب سے متعلق ھیں ۔ اس کتاب میں بیان کردہ قواعد و ضوابط کی کل تعداد اڑھائی سو ہے۔ علاوہ ازیں مصنف محترم نے قواعد کے ساتھ ساتھ ۶۳۶ فوائد بھی ذکر کیئے ھیں جو

گرانقدر علمی فوائد پر مشتمل ھیں ۔ اس طرح قواعد و فوائد کی کل تعداد ۸۸۶ ہے۔ مصنف نے فائدہ کا لفظ قریب قریب ضابطہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ (۴۹) مفتی محمود حمزہ نے وقف سے متعلق قواعد کا بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا ۔ (۵۰)

حواشی

(۱) علامہ مصطفی احمد الزرقاء، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، جلد دوم، ص ۹۳۶ مع حاشیہ، طبع دمشق ۱۹۶۳

(۲) ابن نجیم : الاشباہ والنظائر ، طبع بیروت، ۱۹۸۰، ص ۱۵ ـ ۱۶ ، نیز السیوطی: الاشباہ والنظائر، طبع بیروت، ۱۹۷۹، ص ۷

(۳) حموی: غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، ص ۱۴ بحوالہ حاشیہ الاشباہ والنظائر از ابن نجیم، حوالہ بالا، ص ۱۶

(۴) مصطفی احمد الزرقاء، حوالہ ماقبل، جلد دوم، ۹۳۷ (حاشیہ)

(۵) البقرۃ (۲) : ۱۲۷ ـ النحل (۱۶) : ۲۶

(۶) الحموی : شرح الاشباہ والنظائر، طبع نولکشور، ص ۱۹

(۷) حوالہ بالا

(۸) علامہ مصطفی احمد الزرقاء، نے یہ تعریف حموی سے منسوب فرمائی ہے حوالہ ماقبل، ج ۲ ، ص ۹۳۰ ۔

(۹) ابن رستم باز شرح المجلہ، باب اول

(۱۰) علی حیدر : درر الحکام، ج ۱ ص ۱۷ (ذیل دفعہ ۲)

(۱۱) استاذ مصطفی احمد الزرقاء، حوالہ بالا، جلد دوم، ص ۹۳۱

(۱۲) الحموی : شرح الاشباہ والنظائر، طبع نولکشور، ص ۱۹

(۱۳) اس اصول پر فقہی بحث کے لئے دیکھئے : بدائع الصنائع، جلد اول، ص ۲۹۱ ـ ۲۹۳ اور دوسری مطولات ۔

(۱۴) استاذ مصطفی احمد الزقاء، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ج ۲ ، ص ۹۴۳

(۱۵) مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱ ـ اصل الفاظ یہ ھیں : و تلک القواعد مسلمة معتبرة فی الکتب الفقهية تتخذ ادلة لاثبات المسائل و فهمها فی بادی الأمر، فذکرها یوجب الاستئناس بالمسائل و یکون وسیلة لتقررها فی الاذهان ۔

(۱۶) یوسف آصاف : مراۃ المجلۃ ، جلد اول ، ص ۳

(۱۸) مجلۃ الاحکام العدلیہ، مقدمہ

(۱۹) یوسف آصاف ، حوالہ مذکورہ بالا

(۲۰) امام قرافی : الفروق ، مقدمہ، بتغیر لفظی

(۲۱) مجلة الاحکام العدلیه، طبع استنبول، ۱۳۰۵ھ، مقدمہ، ص ٦

(۲۲) کتاب الخراج، امام ابو یوسف، طبع بولاق، ۱۳۰۲ھ، ص ۲۵ و مابعد

(۲۳) حوالہ بالا ، ص ۲۷

(۲۴) حضرت علی کا یہ استدلال بہت مشہور ہے اور فقہ اور حدیث کی متعدد کتب میں مذکور ہے۔ یہاں یہ الفاظ دکتور مصطفی سعید الخن کی کتاب اثر الا اختلاف فی القواعد الاصولیة فی اختلاف الفقہاء، طبع سوم بیروت ، ۱۹۸۳ ص ۱۲۱ ، سے لئے گئے ہیں ۔

(۲۵) سد ذریعہ پر بہت جامع اور مبسوط بحث کے لئے ملاحظہ ہو ابن قیم الجوزیہ اعلام الموقعین عن رب العالمین ، جلد سوم

(۲٦) یہ دونوں مثالیں بھی ڈاکٹر مصطفی سعید الخن کی مذکورہ بالا کتاب سے ماخوذ ہیں ۔ ملاحظہ ہو ص ۱۲۱ ۔ ۱۲۲

(۲۷) اشارہ ہے اس حدیث نبوی کی طرف جس میں ارشاد ہوا ہے : اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

(۲۸) اسی دستاویز کے مکمل متن، ترجمہ اور مختصر اردو شرح کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی مرتب کردہ کتاب ادب القاضی، اسلام آباد، ۳۲ صفحات ۳۴۷ ۔ ۳٦۵ ۔

(۲۹) فقہ حنفی کے آغاز و ارتقاء اور بعد کی تاریخ کو مورخین فقہ نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور امام ابو حنیفہ اور ان کے براہ راست تلامذہ کا ہے۔ دوسرا دور امام صاحب کے تلامذہ کے بعد کے زمانے سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے آخر تک ہے یہ وہ زمانہ ہے جب مختصر اور جامع فقہی متون (texts) مرتب کرنے کا رواج شروع ہوا ۔ اوپر اسی دور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۳۰) مزید ملاحظہ ہو، استاذ مصطفی احمد الزرقاء کی عظیم الشان کتاب الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، جلد دوم، صفحات ۹۳٦ ۔ ۹۴۷

(۳۱) اصول الکرخی، اصل نمبر ۲۸

(۳۲) استاذ مصطفی احمد الزرقاء ، نے (حوالہ ماقبل ص ۹۴۸) امام کرخی کے ان کلیات کی تعداد ۳۷ اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے (مقدمہ اردو ترجمہ اصول الکرخی، اسلام آباد، ۱۳۰۲ھ، ص ۱) ۳٦ قرار دی ہے۔ استاذ زرقاء نے اصل کتاب کے دو اور مولانا ہاشمی نے تین کلیات کو شمار نہیں کیا ۔

(۳۳) عبدالحی لکھنوی ، الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة، ص ۱۰۹ ، ۱۸۷

(۳۴) حموی : غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، طبع نولکشور ، ص ۱۳

(۳۵) اصول الکرخی، مطبوعہ مع تأسیس النظر للدبوسی ، طبع محمد امین الخانجی قاہرہ ، ص ۸۰ ، اردو ترجمہ ، حوالہ بالا ، ص ۱۵ ۔ ۱٦

(۳٦) مثلاً ملاحظہ ہوں مجلة الاحکام العدلیہ کے باب اول میں دیے گئے حسب ذیل قواعد : ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵

(۳۷) اصول الکرخی ، حوالہ بالا ، ص ۸۱ ، اردو ترجمہ ، حوالہ بالا ، ص ۱۸

(۳۸) ابن خلکان : وفیات الاعیان لیکن مورخ ابن خلکان کی جلالت شان کے باوجود ان کی اس رائے سے مطلقاً اتفاق کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود اختلاف الفقہاء کے عنوان سے صرف تقابلی مطالعہ قانون پر کم از کم دو اہم کتابیں ایسی ہیں جو امام دبوسی سے بہت پہلے لکھی گئی اور ہم تک پہنچی ہیں، یعنی امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی اختلاف الفقہاء جس کا ایک حصہ مستشرق یوسف شخت نے سنہ ۱۹۳۳ میں لائیڈن (ہالینڈ) سے شائع کیا تھا، دوسری امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کی اختلاف الفقہاء جس کی ایک جلد ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی کی تحقیق سے سنہ ۱۹۷۱ میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہوئی تھی۔ البتہ اس اعتبار سے امام دبوسی کو اس علم کا ,,موجد،، تو نہیں ,,مدوّن،، مانا جا سکتا ہے انہوں نے ان فقہی اختلافات کی تہ میں پائے جانے والے اصولی اور ,,قواعدی،، اختلافات کی نشاندھی کی اور ایسے قواعد کو الگ الگ مرتب کر دیا جن سے تقابلی مطالعہ قانون کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

(۳۹) کتاب کے مطبوعہ نسخہ میں دو ہی نام ہیں۔ قوسین میں تیسرا نام اندازہ سے راقم سطور نے بڑھایا ہے۔

(۴۰) ملاحظہ ہو الاشباہ و النظائر، علامہ جلال الدین سیوطی ، طبع بیروت ۱۹۷۹، ص ۷۔ ۸

(۴۱) حوالہ بالا ،

(۴۲) مقدمہ کتاب الفروق للکرابیسی ، طبع کویت ، ۱۹۸۲، ص ۱۱

(۴۳) علامہ مصطفی احمد الزرقاء : الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ، جلد دوم ، ص ۹۵۴ ۔ ۹۵۵

(۴۴) حوالہ بالا

(۴۵) ملاحظہ ہو علامہ سخاوی : الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع، ج ۵، ص ۳۲۰ نمبر ۱۰۶۲ ۔ قریب قریب یہی معلومات حافظ ابن حجر نے انباء العمر میں دی ہیں ۔ (بحوالہ محمد حامد الفقی ، مقدمہ القواعد و الفوائد الاصولیہ و ما یتعلق بہا من الاحکام الفرعیة، طبع قاہرہ، مطبعة السنة المحمدیہ ، ۱۹۵۶)

(۴۶) زرقاء، ص ۹۵۰ ۔ ۹۵۱ جلد دوم فقرہ ۵۶۵

(۴۷) علامہ زرکشی کی یہ کتاب حال ہی میں دو جلدوں میں کویت سے چھپ چکی ہے تفصیلی تعارف آگے آ رہا ہے۔

(۴۸) زرقاء جلد دوم ص ۹۵۵ ۔ ۹۵۶

(۴۹) راقم الحروف استاذ جلیل علامہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ دامت برکاتہم کا شکر گذار ہے جن کی عنایت سے اس کتاب کی ایک عکسی نقل پیرس کے مرکزی کتب خانہ سے حاصل ہوئی ۔ کتاب کا تفصیلی تعارف آئندہ صفحات میں آئے گا ۔

(۵۰) بحوالہ استاذ مصطفی احمد الزرقاء ، جلد دوم ، ص ۹۵۱ ۔ ۹۵۲